حاصلِ تحقیق

آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز کے ذخائر سے اخذ کردہ
مواد کی بنیاد پر تجزیاتی، تحقیقی مضامین کا مجموعہ

ڈاکٹر سیّد داؤد اشرف

شگوفہ پبلیکیشنز
۳۱-مجرد گاہ، معظّم جاہی مارکٹ، حیدرآباد ۱

کتابت: محمّد غالب
طباعت: کوڈنڈا پریس - باکارام حیدرآباد
سرورق: سعادت علی خاں

تعداد: ایک ہزار
قیمت: تیس روپے
سنہ اشاعت: جولائی ۱۹۹۲ء

ناشر: شگوفہ پبلیکیشنز
ملنے کے پتے: ▫ ۱۳۱۔ مجرد گاہ، معظم جاہی مارکٹ، حیدرآباد۔ ۱
▫ حسّامی بک ڈپو، مچھلی کمان، حیدرآباد

فہرست

پیش لفظ

یہ تصنیف میری پچھلی تصنیف "بیرونی مشاہیرِ ادب اور حیدرآباد" ہی کے سلسلہ کی کڑی ہے۔ اس کتاب میں شامل مضامین کا پس منظر بھی حیدرآباد اور اس کی چار سو سالہ تاریخ و تہذیب ہی ہے۔ ان مضامین میں بھی اس تہذیب، تاریخ اور اس شہر سے تعلق رکھنے والے کردار اور واقعات ملتے ہیں۔ آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز میں ریکارڈ کے جو ذخائر موجود ہیں ان میں بکھرے مواد کو یکجا کرکے تحقیق اور تجزیہ کے عمل کے ذریعہ واقعات اور کرداروں کو ان کی حقیقی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ اس شکل کو حاصل کرنے کے لیے تحقیق کو تلاش و جستجو کے جن دشوار گزار مراحل کا سفر طے کرنا پڑا ہے اس کے بغیر نتیجہ مستند نہیں ہو سکتا تھا اور اسی کو حاصلِ تحقیق کہا جا سکتا ہے۔ حقیقی تحقیق سمندر کو چھان کر اس میں سے موتی نکالنے کے مترادف ہوتی ہے صرف غوطے لگانے اور جو ہاتھ لگے اُسے باہر لا کر اس کی رونمائی کرنے کا نام تحقیق نہیں۔ اس کتاب کے مضامین کی علمی و ادبی تحقیق میں، ہم عصر تاریخ کی روح بھی حلول کی ہوئی نظر آئے گی اور عصرِ حاضر سے اس کی معنویت بھی جڑی ہوئی محسوس ہوگی۔ مجھے توقع ہے کہ میرے ان مضامین کے ان پہلوؤں اور خصوصیات کو قارئین بھی پسند فرمائیں گے۔ ویسے :

میرا بس کام ہے تحقیق جہاں تک پہنچے

یہ تمام مضامین روزنامہ سیاست میں شائع ہو چکے ہیں اور ان میں چند ہند و پاک کے دیگر جرائد میں چھپ چکے ہیں۔ سیاست میں ان مضامین کو جس اہتمام کے ساتھ اور جس نمایاں انداز میں شائع کیا گیا اس کے لیے میں محترم جناب عابد علی خاں اور محترم جناب محبوب حسین جگر کا بے حد ممنون ہوں۔ انھوں نے اپنے اخبار کے ذریعہ مضامین کو بے شمار قارئین تک پہنچایا اور میری توقیر بڑھائی۔

اس کتاب کی اشاعت کے سلسلے میں مجھے بزم اقبال، جدہ کا جو اشتراک و تعاون حاصل رہا اس کے لیے میں اس ادارہ کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں میرے ہمدم دیرینہ جناب سید جمیل احمد نے پُرخلوص اور عملی دلچسپی نہ لی ہوتی تو اس کتاب کی اشاعت اس وقت ممکن ہی نہ ہوتی لیکن وہ میرے اتنے قریبی دوست ہیں کہ میں اُن کا رسمی طور پر شکریہ ادا کرنے میں بھی تکلّف محسوس کر رہا ہوں۔ کتاب کی اشاعت کے سلسلے میں اپنے ایک اور قریبی دوست جناب میر فاروق علی کا بھی شکر گزار ہوں

عالی جناب ایچ۔ راجندر پرشاد، کمشنر، آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز کا خصوصی شکریہ ادا کرنا ضروری ہے کہ انھوں نے مضامین کو کتابی صورت میں شائع کرنے اور ساتھ ہی ساتھ اس کتاب میں آرکائیوز کے اصل ریکارڈ کے عکس بھی شامل کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ ریکارڈ کی تلاش اور فراہمی کے سلسلے میں مجھے اپنے محکمہ کے ساتھیوں میں جناب شکیل احمد، جناب حسن شریف اور جناب خلیل الرحمٰن کا بڑا تعاون حاصل رہا۔ جناب مجید خاں نے ریکارڈ کے عکس بڑی محنت و توجہ سے تیّار کیے، محترمہ زرینہ پروین نے اس کام کے مختلف مرحلوں میں میرا بہت ہاتھ بٹایا۔ میں ان سب کا بہت ممنون ہوں۔

اس کتاب کی کتابت وطباعت کا سارا کام میرے عزیز دوست ڈاکٹر سید مصطفیٰ کمال کے مشوروں اور نگرانی میں ہوا اور اس کام کی تکمیل تک ان کی توجّہ و دلچسپی قائم رہی ان کے علاوہ اس کتاب کی کتابت کے لیے خوش نویس جناب محمد غالب اور سرورق کی تزئین کے لیے آرٹسٹ جناب سعادت علی خاں کا بھی میں تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ ان کے خلوص و دلچسپی کے باعث یہ کتاب اس شکل میں آپ کے ہاتھ میں موجود ہے۔

سید داؤد اشرف

شہر حیدرآباد

محمدؐ قلی سے ابوالحسن تاناشاہ تک

قطب شاہی سلطنت کے پانچویں حکمران محمدؐ قلی قطب شاہ نے چار سو سال قبل شہر حیدرآباد کی بنیاد رکھی تھی۔ محمدؐ قلی ہندوستانی تاریخ میں وسیع المشربی، روشن خیالی، رواداری اور یک جہتی کی تابناک مثال ہے۔ محمدؐ قلی ایک بڑی سلطنت کا تاج دار ہونے کے علاوہ عاشق و شاعر بھی تھا اسی لیے وہ چاہتا تھا کہ اس کے بسائے ہوئے شہر حیدرآباد میں مختلف مذاہب، مختلف رنگ و نسل اور مختلف زبانوں کے بولنے اور بسنے والے آپس میں مل جل کر محبّت اور باہمی رواداری کے ساتھ امن و چین کی زندگی گزاریں۔ عید، تہوار اور خوشی کے مواقع سب مل کر منائیں اور دوسروں کا دکھ درد آپس میں بانٹیں۔ وہ اس بات کا بھی آرزومند تھا کہ شہر حیدرآباد میں ایک اعلیٰ مشترکہ تہذیب و تمدّن پروان چڑھے۔ نئے شہر کو آباد رکھنے کے لیے شعری پیکر میں اس کی دعا بے حد مقبول ہوئی:

مرا شہر لوگاں سوں معمور کر
رکھیا جوں توں دریا میں من یا سمیع

جب تک یہ شہر باقی و آباد رہے گا قطب شاہی سلطنت کے اس تاجدار کا نام بھی زندہ و باقی رہے گا۔

محمدؐ قلی قطب شاہ کے بسائے ہوئے شہر نے ایک تاریخ بنائی اور کئی صحت مند

چار مینار کا سنگِ بنیاد شہر حیدرآباد کی تعمیر کا نقطۂ آغاز ہے۔ یا حافظ (۱۰۰۰ھ) سے چار مینار یا شہرِ حیدرآباد کی تعمیر کے آغاز کی تاریخ نکلتی ہے۔[۳] تقریباً سات برس بعد یہ تعمیر اختتام کو پہنچی۔ فرخندہ بنیاد (۱۰۰۷ھ) سے تعمیر کے اختتام کی تاریخ نکلتی ہے[۴] لیکن شہرِ حیدرآباد کی تزئین، آرائش اور محلات کی تعمیر کا سلسلہ زوالِ گولکنڈہ تک جاری رہا۔

چار مینار عہدِ وسطیٰ کی تعمیر کا عمدہ نمونہ ہے۔ فرانسیسی سیاح تھیونو چار مینار کی بڑی تعریف کرتا ہے وہ اس عمارت کی طرزِ تعمیر اور اندرونی و بیرونی ساخت کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

Nothing in that town seems so lovely as the outside of the building.[۵]

ترجمہ: (شہر بھر میں جیسی یہ عمارت باہر سے خوش نما معلوم ہوتی ہے ایسی اور کوئی نہیں ہے)

شہرِ حیدرآباد ایک خاص نقشہ کے تحت بنایا گیا تھا۔ اس کی تعمیر میں خاص ضابطہ سلیقہ اور توازن ملحوظ رکھا گیا تھا۔ شہر کو خوب صورت اور دل کش بنانے کے ساتھ ہی ساتھ اس بات کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا تھا کہ شہر میں بسنے والوں کو خاطر خواہ سہولتیں حاصل رہیں اور تمام ضرورتیں میسّر آئیں۔ اسی بات کے پیشِ نظر چار مینار کی تعمیر کے آغاز کے ساتھ ہی شہر میں چار بازار قائم کیے گئے۔ صاحب حدیقۃ العالم کے مطابق شہر چار بازاروں پر مشتمل تھا جن میں متساوی الاضلاع چوراہے بنائے گئے تھے اکثر بازاروں میں سایہ دار درخت لگائے گئے تھے۔ بعض بازاروں میں پانی کی نہریں دوڑتی تھیں ہر دکان کے سامنے برآمدہ بنایا گیا تھا تاکہ گاہکوں کو دھوپ اور پانی سے آرام ملے۔ ان بازاروں میں چودہ ہزار دکانیں تھیں۔ اس کے علاوہ شہر میں محلے، حمام، خانقاہیں، مدرسے، مسجدیں، لنگر خانے، مہمان خانے وغیرہ بھی بنائے گئے تھے جن کی تعداد بارہ ہزار تھی۔[۶] ٹیورنیر نے اپنے سیاحت نامے میں لکھا ہے۔ "شہر میں چار پانچ کاروان سرائیں موجود ہیں جو دو منزلہ ہیں۔[۷] بیماروں کے

تھا۔یہ محل اسی مقام پر تھا جہاں آج قصرِ فلک نما ہے۔محمد قلی قطب شاہ نے اپنے محلوں، عمارتوں اور باغوں پر نظمیں کہی ہیں جو اس تعلق سے اہم اور مستند ماخذ کی حیثیت رکھتی ہیں۔

محمد قلی قطب شاہ کے جانشین سلطان محمد قطب شاہ کو تعمیر کا شوق ورثہ میں اپنے چچا سے ملا تھا۔اس نے بھی کئی محل تعمیر کروائے۔عبداللہ قطب شاہ کے دور میں بھی کئی محل اور عمارتیں تعمیر کروائی گئیں۔چار محل ابوالحسن تانا شاہ نے زوالِ گولکنڈہ سے چار سال قبل تعمیر کروایا تھا۔ چارمینار کی تعمیر کے آغاز سے شہر حیدرآباد کی تعمیر کا آغاز ہوا تھا اور چار محل کی تعمیر پر قطب شاہی عہد کی تعمیرات اختتام کو پہنچتی ہیں۔

شہر حیدرآباد میں اب قطب شاہی محلات کے آثار تک نہیں ملتے۔بڑی حد تک مغل حملوں نے ان محلوں اور شاہی عمارتوں کو بری طرح نقصان پہنچایا تھا جس کی وجہ سے رفتہ رفتہ ان کے نشانات اور آثار بھی مٹتے گئے۔

قطب شاہی دور کے شہر حیدرآباد کے بارے میں چند سیّاحوں اور مورّخوں کے تاثرات درج ذیل کیے جا رہے ہیں۔ان کے تاثّرات سے ایک ایسے پاکیزہ و دل کش شہر کی تصویر ابھرتی ہے جہاں بے شمار عالی شان محل اور عمارتیں موجود تھیں۔ساتھ ہی ساتھ اس عہد کے شہرِ حیدرآباد کی آب و ہوا اور موسم کے بارے میں بھی معلومات حاصل ہوتی ہیں۔

محمد قاسم فرشتہ محمد قلی قطب شاہ کا ہم عصر تھا اور وہ آگرہ اور لاہور کے علاوہ اکبر کے نئے بسائے ہوئے شہر فتح پور سیکری سے بھی بہ خوبی واقف تھا لیکن اس کے باوجود وہ شہرِ حیدرآباد کے بارے میں لکھتا ہے:

"بادشاہ نے تخت گاہ سے چار کوس کے فاصلہ پر ایک نیا شہر جو اپنے ہر چہار سمت کے اعتبار سے ہندوستان میں بے نظیر ہے بسایا اور اسے اپنا پایۂ تخت قرار دے کر شہر کو بھاگ نگر کے نام سے موسوم کیا لیکن آخر میں بادشاہ اس نام سے شرمندہ ہوا اور بلدہ حیدرآباد نام رکھا لیکن عام طور پر یہ شہر بھاگ نگر ہی کے نام سے پکارا جاتا ہے۔اس شہر کا دور

پانچ کوس کا ہے اور اس کے بازار دیگر بلاد ہندوستان کے خلاف بے حد صاف
ومعمور ہیں۔ اس شہر کی آب و ہوا اچھی ہے اور مسافر و اہل سفر سب کے مزاج
کے موافق ہے۔ بلدہ کے اکثر بازار ندی کے کنارے آباد ہیں۔ بازاروں
کے دونوں طرف ندی بہتی ہے اور اس ندی کے کنارے کنارے دو رویہ
سایہ دار درخت ہیں۔ شہر کے بازار چونہ اور پتھر سے پختہ بنائے گئے ہیں۔ بادشاہی
محل اپنی ساخت کے اعتبار سے بے مثال ہیں۔"[۱۰]

باغوں کی کثرت قطب شاہی حیدرآباد کی ایک نمایاں خصوصیت تھی۔ رفیع الدین شیرازی
اپنی کتاب تذکرۃ الملوک میں جسے اس نے ۱۰۱۷ھ م ۱۶۰۸ء میں تصنیف کیا تھا شہر حیدرآباد
کی اس خصوصیت کے بارے میں ایک جگہ لکھتا ہے "حیدرآباد عالی شان محلوں پر مشتمل
ایک بہت وسیع شہر ہے۔ اس شہر کے ہر محل سے ایک بڑا باغ ملحق ہے ان باغات میں
بعض درخت اتنے اونچے ہیں کہ لگتا ہے کہ آسمان کو چھو رہے ہیں۔ بازاروں اور مکانوں میں اس
قدر باغات ہیں کہ سارا شہر ایک باغ معلوم ہوتا ہے۔"[۱۱]

فرانسیسی سیاح تھیونو نے جو ۱۶۶۶ء میں حیدرآباد آیا تھا شہر حیدرآباد کے شاہی محلات،
عمارات، باغات اور معتدل آب و ہوا کی بڑی تعریف کی ہے۔ ایک اور فرانسیسی سیاح ٹیورنیر
جو کئی بار گولکنڈہ آیا تھا اپنے سیاحت نامہ میں حیدرآباد کے بارے میں لکھتا ہے۔ "شہر کو
بڑے سلیقہ کے ساتھ بسایا گیا ہے اور اس کے راستے بڑے کشادہ ہیں۔"[۱۲]

مغل مورخین بھی شہر حیدرآباد کی تعریف کرنے میں کسی سے پیچھے نہیں ہیں۔ محمد ساقی
مستعد خاں نے مآثر عالم گیری میں لکھا ہے:۔

"بلدہ مذکور قطعہ زمین پر بہشت بریں کا نمونہ ہے جس کی آبادی شمار سے باہر
ہے۔ شہر کی عمارتیں بے حد بلند اور دل کش ہیں۔ ہوا کی رطوبت اور چشموں کی روانی
و شیرینی و سبزہ کی شادابی اس درجہ معتدل ہے کہ یہاں کے گل و سبزہ بلاشبہ
زمرد و لعل نظر آتے ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ ایسا دل کش شہر قلمرو عالمگیری میں

داخل ہوا"۔[۳۰]

خافی خاں، منتخب اللباب میں لکھتا ہے:
"حیدرآباد کی آب و ہوا گرمی سردی میں معتدل رہتی ہے۔ وہاں کی زراعت اور غذا کا انحصار بس چاول پر ہے۔ اگر موسم باراں کے چار مہینوں میں دھیمی دھیمی بارش نہ ہو تو زراعت خراب ہو جاتی ہے۔ اگر ایک دو دن بھی شدّت سے بارش ہو جائے اور تالاب بھر جائیں تو یہ پانی سارے سال زراعت کے لیے کافی ہو جاتا ہے۔"

خافی خاں اپنی اسی تصنیف میں ایک اور جگہ لکھتا ہے:
قلعہ گولکنڈہ کی بنیاد، اس کی تعریف، اس کے استحکام، اس شہر کی خوبیوں، اس سرزمین کی آب و ہوا، وہاں کے سبز فام نمکین حسینوں کا ذکر لے بیٹھوں اور اس علاقہ کی سرسبزی اور خوش حالی بیان کرنے لگ جاؤں تو اپنے مقصد سے دور ہو جاؤں گا۔"[۱۴]

بھیم سین کی کتاب "تاریخ دل کشا" عہد اورنگ زیب کے دکن کی مہمات کے بارے میں ایک مستند معاصر تاریخ ہے اُس وقت بھیم سین خود دکن میں موجود تھا اور وہ دکن کے اکثر مہمات اور واقعات کا عینی شاہد ہے۔ زوالِ گولکنڈہ سے کچھ عرصہ قبل وہ حیدرآباد آیا تھا اور اسے دوبارہ گولکنڈہ کے آخری تاج دار ابوالحسن تانا شاہ سے ملنے کا موقع حاصل ہوا تھا۔ اُس نے ابوالحسن تانا شاہ کے محل کے بارے میں اپنی تصنیف میں تفصیل سے لکھا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

"کس طرح میں اس حکمران کے محل کی تفصیلات بیان کر سکتا ہوں۔ یہ ایک بہت بڑی لکڑی کی عمارت ہے۔ یہ عمارت اتنی عالی شان اور وسیع ہے کہ اگر کوئی شخص اسے صبح سے دیکھنا شروع کرے تو وہ شام تک بھی اسے دیکھ نہ پائے گا۔ اس میں کوئی

حیرت کی بات نہیں ہے کہ کوئی شخص تنہا اس عمارت کو دیکھنے جائے اور راستہ بھٹک جائے۔ پیش رو قطب شاہی حکمرانوں کے محل اتنے دل کش نہیں ہیں۔ ابوالحسن کا ندی کے کنارے تعمیر کردہ محل بے حد دل کش ہے۔ دراصل یہ چار محل ہیں جو ایک دوسرے کے مقابل تعمیر کیے گئے ہیں ان کے بیچوں بیچ ایک تالاب بنایا گیا ہے یہ تالاب اتنا بڑا ہے کہ کشتی رانی کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے اور ابوالحسن اس تالاب میں شام سے آدھی رات تک کشتی رانی سے لطف اندوز ہوا کرتا تھا۔ اس نے سارے علاقہ کو مناسب انداز میں منور اور روشن رکھنے کے انتظامات کیے تھے۔ وہاں ضرورت کی ہر شے مہیا تھی اور ابوالحسن ان تعیشات سے لطف اندوز ہوتا تھا۔"[۱۵]

بھیم سین نے اس کے علاوہ چند اور محلوں اور چار مینار کا بھی تذکرہ کیا ہے۔

عام سیاح یا مورخ تو کیا مغل شاہزادے بھی عالی شان اور وسیع قطب شاہی محلات کو دیکھ کر انگشت بدنداں رہ جاتے تھے۔ صاحب تاریخ گلزار آصفیہ نے لکھا ہے کہ گولکنڈہ کے مغل سلطنت میں انضمام کے بعد جب شاہزادہ کام بخش حیدرآباد کا صوبہ دار مقرر ہوا تو اُس نے حیدرآباد میں اپنی رہائش کے لیے ایک علاحدہ حویلی تعمیر کروانی شروع کی۔ جب اس کی اطلاع اورنگ زیب کو ملی تو اس نے کام بخش کو لکھا کہ حیدرآباد میں کئی قطب شاہی محل ہونے کے باوجود ایک نئی عمارت کی تعمیر اسراف بے جا ہے۔ مغل شاہزادے نے جواب لکھا کہ قطب شاہی محلوں میں قیام کرنا اس سے زیادہ اسراف ہے۔ قطب شاہی محل اس قدر وسیع اور عالی شان ہیں کہ ان کی پوری طرح نگہداشت کرنا تو کجا اُن میں چراغ جلانا بھی مشکل ہے۔[۱۶]

حوالے

۱۔ میر عالم　　حدیقۃ العالم　　ص ۲۱۴

۲۔ ترکہ نامہ مورخہ ۹ رجمادی الاوّل ۱۰۳۶ھ مملوکہ آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز

۳۔ گردھاری لعل احقر تاریخ ظفرہ ص ۱۱

۴۔ سید علی اصغر بلگرامی ماثر دکن ص ۷

5. Thevenot, Indian Travels of Thevenot and Careri, Part III, P. 95.

۶۔ میر عالم حدیقۃ العالم ص ۲۱۵

7. Tavernier, Taverniers Travels in India, P. 123.

۸۔ گردھاری لعل احقر تاریخ ظفرہ ص ۱۲ اور ۱۳

9. Tavernier, Taverniers Travels in India, P. 124.

۱۰۔ محمد قاسم، تاریخ فرشتہ، جلد چہارم (اردو ترجمہ۔ مترجم محمد فدا علی طالب) ص ۳۲۸ و ۳۲۹

۱۱۔ رفیع الدین شیرازی، تذکرۃ الملوک ورق ۶۱ ب

12. Tavernier, Taverniers Travels in India, P. 124.

۱۳۔ ساقی مستعد خاں، مآثر عالمگیری (اردو ترجمہ۔ مترجم محمد فدا علی طالب) ص ۲۱۲

۱۴۔ محمد ہاشم علی خاں المخاطب خافی خاں نظام الملکی، منتخب اللباب حصہ دوم ص ۳۶۸ و ۳۶۹

۱۵۔ بھیم سین تاریخِ دلکشا ورق ۹۹ ب و ۹۹ الف

۱۶۔ خواجہ غلام حسین، تاریخ گلزارِ آصفیہ ص ۵۳

یہ تصنیف میری پچھلی تصنیف "بیرونی مشاہیرِ ادب اور حیدرآباد" ہی کے سلسلہ کی کڑی ہے۔ اس کتاب میں شامل مضامین کا پس منظر بھی حیدرآباد اور اس کی چار سو سالہ تاریخ و تہذیب ہی ہے۔ ان مضامین میں بھی اس تہذیب، تاریخ اور اس شہر سے تعلق رکھنے والے کردار اور واقعات ملتے ہیں۔ آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز میں ریکارڈ کے جو ذخائر موجود ہیں ان میں بکھرے مواد کو یکجا کر کے تحقیق اور تجزیہ کے عمل کے ذریعہ واقعات اور کرداروں کو ان کی حقیقی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ اس شکل کو حاصل کرنے کے لئے تحقیق کو تلاش و جستجو کے جن دشوار گزار مراحل کا سفر طے کرنا پڑا ہے اس کے بغیر نتیجہ مستند نہیں ہو سکتا تھا اور اسی کو حاصلِ تحقیق کہا جا سکتا ہے۔ حقیقی تحقیق سمندر کو چھان کر اس میں سے موتی نکال لینے کے مترادف ہوتی ہے صرف غوطے لگانے اور جو ہاتھ لگے اُسے باہر لا کر اس کی رونمائی کرنے کا نام تحقیق نہیں۔ اس کتاب کے مضامین کی علمی و ادبی تحقیق میں ہم عصر تاریخ کی روح بھی حلول کی ہوئی نظر آئے گی اور عصرِ حاضر سے اس کی معنویت بھی جڑی ہوئی محسوس ہو گی۔ مجھے توقع ہے کہ میرے ان مضامین کے ان پہلوؤں اور خصوصیات کو قارئین بھی پسند فرمائیں گے۔ ویسے:

میرا بس کام ہے تحقیق جہاں تک پہنچے

گولکنڈہ کے حالات

مغل وقائع نویسوں کی تحریروں میں

مغل نظم ونسق میں وقائع نویسی کا نظام بڑی اہمیت رکھتا تھا کیوں کہ اسی نظام کے باعث مغل شہنشاہ ملک کے تمام علاقوں کے حالات سے باخبر رہتا تھا۔ مغل وقائع نویسوں کے بارے میں ہمیں سب سے پہلے ابوالفضل سے معلومات ملتی ہیں۔ اُس نے اپنی کتاب آئینِ اکبری میں اُن وقائع نویسوں کے فرائض کے بارے میں تفصیل سے لکھا ہے جو دربار میں پیش آنے والے واقعات اور دربار سے متعلق تمام امور کو ضبطِ تحریر میں لانے کے لیے مقرر کیے جاتے تھے۔ ابوالفضل کے مطابق شہنشاہ اکبر کے دربار میں چودہ وقائع نویس مقرر تھے جو کچھ اکبر دربار میں کہتا یا کرتا[۱]، مختلف صدورِ محکمہ جات کی جانب سے جو کچھ اطلاعات اس کے علم میں لائی جاتیں اُن پر جو کچھ احکام صادر ہوتے تھے اُن سب کو یہ وقائع نویس قلم بند کیا کرتے تھے۔

اکبر کو اس بات کا پوری طرح اندازہ تھا کہ ایسے سرکاری عہدہ داروں کے بغیر جو ملک کے مختلف صوبوں سے مرکزی حکومت کو اطلاعات فراہم کرتے ہیں ایک وسیع وعریض مملکت کا نظم ونسق چلانا ممکن نہیں۔ چناں چہ جب اکبر نے ۱۵۸۶ء میں بارہ صوبوں میں ایک ہی نوعیت کا صوبائی نظم ونسق نافذ کیا تو اس نے ہر صوبہ میں ایک وقائع نویس بھی مقرر کیا۔ مختلف صوبوں سے روانہ کردہ وقائع مرکز میں میر بخشی وصول کرتا تھا

جنھیں وہ شہنشاہ کے سامنے پیش کرتا تھا اور اگر ضروری ہوتا تو شہنشاہ ان فراہم کردہ اطلاعات پر احکامات صادر کرتا تھا۔

جہانگیر اپنی خود نوشت سوانح "تزک جہانگیری" میں لکھتا ہے کہ اکبر کے دور میں وقائع نویس بڑے مستعد اور کارکرد تھے اور چھوٹے وغیر اہم واقعات کی رپورٹیں بھی دور افتادہ صوبوں سے اکبر کو روانہ کی جاتی ہیں۔ جہانگیر کے عہد میں وقائع نویس کا نظام کس قدر کارکرد تھا اس کا اندازہ "ہاکنس" کے واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے۔ ہاکنس اگسٹ ۱۶۰۸ء میں سورت پہنچا وہ مغل شہنشاہ جہانگیر کے نام انگلستان کے بادشاہ جیمس اول کا خط اپنے ساتھ لایا تھا جس میں تجارت کے سلسلہ میں مراعات دینے کی درخواست کی گئی تھی۔ سورت کی بندرگاہ پر ہاکنس کے ساتھ مغل عہدیداروں نے اچھا سلوک نہیں کیا۔ جب ہاکنس آگرہ پہنچا تو اس نے شہنشاہ سے مغل عہدیداروں کے ناروا سلوک کی شکایت کی مگر اسے یہ جان کر سخت حیرت ہوئی کہ اس واقعہ کی مکمل رپورٹ سرکاری وقائع نویس کی جانب سے جہانگیر تک پہنچ چکی تھی اور اس سلسلہ میں مناسب کارروائی کے لیے احکام جاری ہو چکے تھے۔ صوبائی وقائع نویس اپنی رپورٹیں صوبہ کے اعلیٰ عہدیداروں کے توسط سے مرکز کو روانہ کیا کرتے تھے مرکز کو صحیح واقعات اور اطلاعات کی فراہمی پر ان وقائع نویسوں اور صوبہ کے اعلیٰ عہدیداروں کے مابین بعض اوقات ٹکراؤ اور تصادم پیدا ہو جاتا تھا۔ اس لیے اس صورتِ حال پر قابو پانے کے لیے شاہ جہاں اور اورنگ زیب کے عہد میں نیا خبر رساں عہدہ جسے سوانح نگار یا خفیہ نویس کہا جاتا تھا قائم کیا گیا۔ یہ عہدہ دار اپنا نام یا شخصیت ظاہر نہیں کرتے تھے اور وہ اپنی رپورٹیں کسی درمیانی واسطہ کے بغیر راست شہنشاہ کے لیے روانہ کیا کرتے تھے۔

وقائع نویس ہو یا سوانح نگار اُن کی اہمیت کا اندازہ حسبِ ذیل دو واقعات سے لگایا جا سکتا ہے۔ شاہ جہاں کو برہان پور کے شاہ پسند آم پسند تھے (۱) ایک سال برہان پور میں آموں کی فصل اچھی نہیں ہوئی اور اس سال شاہ پسند آم بالکل دستیاب نہیں تھے۔ اس موقع پر اورنگ زیب شاہ جہاں کو یہ اطلاع دیتے ہوئے لکھتا ہے کہ برہان پور کے سوانح نگار نے یہ اطلاع حضور تک

پہنچادی ہوگی۔

اورنگ زیب کے پوتے شہزادہ معزالدین نے جب اپنی فوج کے وقائع نویس کے منصب میں اضافہ کی سفارش کی تھی تو اورنگ زیب کی نظر میں اُس وقائع نویس کا مقام مشتبہ ہوگیا تھا اور اورنگ زیب نے ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے لکھا تھا کہ شہزادہ کی طرف سے اس قسم کی سفارش کوئی مناسب بات نہیں ہے اورنگ زیب نے تو یہاں تک بھی لکھ دیا تھا کہ جس وقائع نویس کی سفارش کی گئی ہے اُسے ہٹا کر دوسرے وقائع نویس کو مقرر کرنا ہوگا۔ صوبائی وقائع نویس اپنے ایجنٹ صوبہ دار، دیوان اور فوجداری کی کچہریوں، عدالتوں اور چبوترہ کوتوالی پر مقرر کیا کرتے تھے تاکہ وہ ان مقامات کے اہم واقعات کی رپورٹ انھیں روانہ کریں وقائع نویس اپنے ایجنٹوں سے ملنے والی اطلاعات اور مواد کی بنیاد پر اپنی رپورٹ تیار کرتے تھے۔ بعد کے دور میں صوبائی وقائع نویسوں کے علاوہ اہم شہروں، ضلعوں، پرگنوں، قلعوں اور تھانوں پر بھی وقائع نویس مقرر کیے جانے لگے۔ ہر فوج میں وقائع نویس ہوا کرتا تھا۔ مغل علاقوں میں متعین وقائع نویس اپنے اپنے علاقوں کے حالات اور عہدیداروں کے بارے میں اطلاعات روانہ کرتے تھے۔ ان کی روانہ کردہ بعض اطلاعات مختصر اور بظاہر غیر اہم معلوم ہوتی ہیں مگر درحقیقت ان میں اہم نکات پوشیدہ ہیں۔ وقائع نویسوں کی جانب سے روانہ کردہ ایسی اطلاعات جن پر کارروائی کرنا ضروری ہوتا مناسب چارہ جوئی کے لیے فوری احکام جاری ہوتے تھے۔ مثلاً باج گزار سلطنتوں میں مخالف مغل سرگرمیوں اور آس پاس کے علاقوں میں دشمن کی افواج کی نقل و حرکت کی اطلاعات پہنچنے پر مناسب کارروائی کے لیے فوراً احکام صادر ہوتے تھے اسی طرح کسی مغل عہدیدار کے خلاف ناموافق رپورٹ وصول ہونے پر اس کے خلاف کارروائی کے لیے بلا تاخیر احکام جاری ہوتے تھے۔ اس بیان کے ثبوت کے لیے اورنگ زیب کے عہد کی ایک یادداشت احکام مقدس پیش کی جاتی ہے جو آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز میں محفوظ ہے۔

یادداشت مورخہ ۲۷ رصفر ۱۰۸۹ھ م ۱۰ راپریل ۱۶۷۶ء میں وقائع نویس کی بھیجی ہوئی اطلاع درج ہے کہ لشکری بیگ قلعدار گالنہ اپنے لڑکے کو قلعہ میں چھوڑکر خود قلعہ سے باہر نکلا اور میر نوراللہ فوجدار تھاتیر کی ضیافت کے بعد قلعہ میں واپس گیا۔ اس اطلاع کے ملنے پر یہ احکام شاہی صادر ہوئے کہ قلعدار کو اجازت حاصل کیے بغیر قلعہ نہیں چھوڑنا چاہیے ورنہ اس کا وہاں سے تبادلہ کر دیا جائے گا علاوہ ازیں یہ بھی احکام صادر ہوئے کہ اس کی منصب سے بیس[20] سوار کم کردیے جائیں۔

مغل علاقوں کے علاوہ باج گزار ریاستوں میں بھی مغل وقائع نویس متعین کیے جانے لگے اورنگ زیب کے عہد میں زوالِ گولکنڈہ سے قبل حیدرآباد میں مغل وقائع نویس متعین تھے۔ آندھراپردیش اسٹیٹ آرکائیوز میں محفوظ ریکارڈ سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے۔ آندھرپردیش اسٹیٹ آرکائیوز حیدرآباد میں ریکارڈ کے جو مختلف زمرے (Categories) محفوظ ہیں ان میں تحقیقی کاموں کے لیے مغل ریکارڈ کا زمرہ بیش قیمت اہمیت کا حامل ہے۔ ریکارڈ کا یہ اہم ذخیرہ عہدِ شاہ جہاں (۱۶۲۸ء تا ۱۶۵۸ء) اور عہدِ اورنگ زیب (۱۶۵۸ء تا ۱۷۰۷ء) سے تعلق رکھتا ہے جس میں بیسیوں نوعیت کے کاغذات موجود ہیں۔ عہدِ اورنگ زیب کے کاغذات میں سینکڑوں وقائع، روزنامچہ وقائع کی شکل میں موجود ہیں۔ یہ وقائع سترھویں صدی عیسوی کے مغل دکن کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر بھرپور روشنی ڈالتے ہیں۔ اس مضمون میں چند ایسے وقائع پیش کیے جا رہے ہیں جنھیں حیدرآباد میں متعین مغل وقائع نویسوں نے روانہ کیے تھے۔ یہ وقائع عبداللہ قطب شاہ کے عہد کے گولکنڈہ پر تفصیلی مواد فراہم کرتے ہیں۔

حسبِ ذیل وقائع قطب شاہی حکمران کے اقتدار و اختیارات، گولکنڈہ، مغل تعلقات گولکنڈہ بیجاپور تعلقات اور گولکنڈہ کے معاشی حالات کے بارے میں اہم معلومات فراہم کرتے ہیں۔

روزنامچہ وقائع مورخہ غرہ محرم ۱۰۷۲ھ م ۱۷/اگسٹ ۱۶۶۱ء میں دیگر اطلاعات کے علاوہ یہ اطلاع بھی درج ہے کہ عبداللہ قطب شاہ نے موہن داس کا ایک الماس خانِ زماں کو بھیجا ہے کہ اسے امانت خاں کے ذریعہ مغل شہنشاہ اورنگ زیب کو پیش کیا جائے۔ وقائع نویس لکھتا ہے کہ یہ الماس شہنشاہ اورنگ زیب کو پسند اور قبول ہے یا نہیں الماس قبول ہونے کی صورت میں اس کی قیمت پیش کش میں سے مہنا کر لی جائے بصورتِ دیگر وہ الماس اس کے مالک کو واپس کر دیا جائے۔[۱]

روزنامچہ وقائع مورخہ ۲/محرم ۱۰۷۲ھ م ۱۸/اگسٹ ۱۶۶۱ء میں حسبِ ذیل اطلاعات بھی درج ہیں۔ عبداللہ قطب شاہ نے محمد مقیم، وکیل شاہ ایران کے لیے پھلوں کی دو کشتیاں روانہ کیں۔ عبداللہ قطب شاہ کے ملازم میر کمال نے بادشاہ کو ۴ کتابیں نذر کیں اور بادشاہ نے اسے سراپا بخشا۔[۲]

وقائع مورخہ ۳/محرم ۱۰۷۲ھ م ۱۹/اگسٹ ۱۶۶۱ء میں یہ تحریر درج ہے کہ عبداللہ قطب شاہ نے پچاس گھوڑے اور تین سو بندوقچی کوئل کنڈہ سے روانہ کیے میں جو بیجاپور کی سرحد پر واقع ہے۔ اسی وقائع میں یہ اطلاع بھی درج ہے کہ عبداللہ قطب شاہ کی والدۂ عبداللہ قطب شاہ حیات بخش بیگم نے پھلوں کا ایک ٹوکرا علی عادل شاہ دوم کے لیے روانہ کیا۔[۳] مغل وقائع نویس اپنے وقائع مورخہ ۹ محرم ۱۰۷۲ھ م ۲۴/اگسٹ ۱۶۶۱ء میں لکھتا ہے کہ ولندیزیوں اور ڈنمارک کے باشندوں نے بندرگاہِ سیکاکول پر ملک بیگ کے جہاز پر قبضہ کر لیا ہے۔ قطب الملک نے سوری راؤ حوالدار مچھلی پٹن کو لکھا تھا کہ وہ اس جہاز کو ولندیزی کپتان سے چھین لے۔ ولندیزی اور ڈنمارک کے باشندے سوری راؤ کے قابو و اختیار میں نہیں ہیں اس لیے سوری راؤ عذر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ چوں کہ یہ واقعہ بندرگاہ سیکاکول میں پیش آیا تھا اس لیے وہاں کے فوجدار حیدر کو چاہیے کہ وہ اس جہاز پر دوبارہ قبضہ کر لے۔ آگے وقائع نویس لکھتا ہے کہ حقیقت یہ ہے کہ اس جماعت کے افراد قطب الملک کی بندرگاہوں پر جو چاہے کر گزرتے ہیں اور قطب شاہی عہدیداروں

کاان پر کوئی قابو اور اختیار نہیں ہے۔ یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ حیدر فوجدار خود بھی اس واقعہ میں اس جماعت کے ساتھ شریک تھا تب وہ ملک بیگ کا جہاز کس طرح واپس لے سکتا ہے؟ اگر ولندیزی کپتان کو تاکید کرنے کے لیے بندر گاہ بنگالہ اور سورت کے حکام کے نام حضور یعنی اورنگ زیب کا فرمان صادر ہو تو جہاز اور مال و اسباب واپس مل سکتا ہے۔[۴]

۱۶ محرم ۱۰۷۲ھ م یکم ستمبر ۱۶۶۱ کے روزنامچہ میں اطلاع دی گئی ہے کہ عبداللہ قطب شاہ[۵] دانتوں کی تکلیف اور حلق کے درد میں مبتلا تھا۔ عارضی افاقہ کے بعد وہ پھر اس عارضہ میں مبتلا ہو گیا ہے۔[۵]

وقائع مورخہ ۲۱ محرم ۱۰۷۲ھ م ۶ ستمبر ۱۶۶۱ء میں وقائع نویس رقم طراز ہے کہ بہلول خاں نے جو علی عادل شاہ دوم کی ملازمت میں ہے اپنے ایک ملازم احمد کو تیر کمان اور زرہ بکتر خریدنے کے لیے روانہ کیا ہے۔ وہ حکیم نظام الدین احمد کے لیے اپنے ہمراہ ایک پیام لایا ہے کہ حیدرآباد کے کوتوال کو حکم دیا جائے کہ وہ احمد کو اسلحہ کی خریدی کی اجازت دے۔[۶]

وقائع نویس، وقائع مورخہ ۲۳ صفر ۱۰۷۲ھ م ۸ اکتوبر ۱۶۶۱ء کے ذریعہ حسب ذیل رپورٹ روانہ کرتا ہے۔ محمد مقیم وکیل شاہ ایران کا ایک ملازم ایران سے براہ مچھلی پٹن حیدرآباد پہنچا۔ محمد مقیم نے ایرانی پھلوں کی پچیس کشتیاں قطب الملک (عبداللہ قطب شاہ) کے لیے بھیجیں۔ محمد مقیم کا جو ملازم پھل لایا تھا بادشاہ نے اسے سراپا عطا کیا اور ابراہیم بیگ سرنوبت کو بھیج کر محمد مقیم کو طلب کیا۔ محمد مقیم کو حیدرآباد کی حویلی دکھائی اور اس کی پان سے تواضع کی۔ محمد مقیم کے ایران سے آئے ہوئے دو ملازمین کو عبداللہ قطب شاہ نے سراپا عطا کیا۔[۷]

وقائع مورخہ ۳ رجمادی الثانی ۱۰۷۲ھ م ۱۴ جنوری ۱۶۶۲ء کے ذریعہ وقائع نویس یہ اطلاع روانہ کرتا ہے کہ خواجہ ہاشم تاجر ساکن سورت اپنے ساتھی مصطفیٰ خاں سے جھگڑا ہونے کے بعد سورت چھوڑ کر اورنگ آباد چلا گیا تھا۔ اس نے وہاں سے قطب الملک کے داماد میر احمد اور دیگر قطب شاہی عہدیداروں کو اپنے حالات کے بارے میں لکھا۔ خواجہ ہاشم کو اورنگ آباد سے بلوا کر میر احمد نے قطب الملک سے ملایا۔ خواجہ ہاشم نے قطب الملک کو دو کتابیں اور

زربفت کے سات تھان نذر کیے۔ قطب الملک نے اسے سراپا عطا کیا۔ اب یہ کہا جا رہا ہے کہ وہ قطب الملک کی ملازمت اختیار کرلے گا۔[۸]

وقائع مورخہ ۱۷رجمادی الثانی ۱۰۷۲ھ م ۲۸رجنوری ۱۶۶۲ء میں سرقہ اور قتل کی واردات درج ہے۔ برہان پور کے تاجر ایسر داس کے گماشتے بندر گاہ مچھلی پٹن سے کپڑا خرید کر حیدرآباد آئے اور بیرون شہر ملکا پور میں ٹھہرے تھے۔ جمعہ کی شب سارق پارچہ جات کے دو بستے لے گئے۔ انھوں نے ایک شخص کو ہلاک اور چار اشخاص کو زخمی کیا۔ چوں کہ ایسر داس کے گماشتوں نے واقعہ نویس کو اطلاع دی تھی کہ انھوں نے یہ اسباب اہتمام خان قلعہ دار اودگیر کے لیے خریدا تھا اس لیے واقعہ نویس نے ایک شخص کو حکیم نظام الدّین احمد کے پاس بھیجا کہ اہتمام خاں کا جو اسباب چوری ہو گیا ہے برآمد کروا دیا جائے۔ اس سلسلہ میں وعدہ کیا گیا ہے کہ وہ مال واپس دلوا دیا جائے گا۔ بعد ازاں اس بارے میں جو بھی پیش رفت ہوگی اسے داخلِ واقعہ کیا جائے گا۔[۹]

وقائع نویس، وقائع مورخہ ۱۶رمضان ۱۰۷۲ھ م ۲۵راپریل ۱۶۶۲ء میں حسبِ ذیل اطلاعات درج کرتا ہے:

موسٰی محلدار نے الماس (ہیرا) کی کان موسومہ 'غنی' کی بابت تین ہزار پانچ سو ہون قطب الملک کو پیش کیے۔ اس کان پر موسٰی محلدار کا اجارہ ہے۔

قطب الملک نے دو انگریز گولہ اندازوں اور پچیس باندازوں کو قلعہ میدک روانہ کیا۔ قطب الملک نے اطراف قلعہ اودگیر کے زمین داروں کے لیے حسینی قلعہ دار مذکور کو سراپا روانہ کیے تاکہ وہ یہ سراپا زمین داروں کو پہنچا دے۔[۱۰]

حسبِ ذیل چند وقائع گولکنڈہ، بیجا پور تعلقات پر معلومات فراہم کرتے ہیں:

وقائع مورخہ ۲۲محرم ۱۰۷۲ھ م ۷ستمبر ۱۶۶۱ء میں وقائع نویس اطلاع دیتا ہے کہ علی عادل شاہ دوم نے گولکنڈہ کے دربار میں اپنے وکیل محمّد علی کو لکھا کہ والیِ

بیجاپور اور سیدی جوہر کے مابین سخت اختلافات پیدا ہو گئے ہیں اس لیے اس بات سے قطب الملک کو آگاہ کر دیا جائے اور درخواست کی جائے کہ حیدرآباد میں سیدی جوہر کا جو ہرکارہ ہے اسے حیدرآباد سے نکال دیا جائے۔ محمد علی نے یہ پیغام حکیم نظام الدین کو پہنچایا جس نے اس بارے میں قطب الملک سے گفتگو کی بعد ازاں حکیم نظام الدین نے محمد علی کو بلا کر قطب الملک سے اپنی گفتگو کے نتائج سے واقف کرایا۔ اس موقع پر دونوں کے مابین کیا گفتگو ہوئی معلوم نہ ہو سکا۔[۱۱]

وقائع مورخہ ۱۴ر صفر ۱۰۷۲ھ م ۲۹ر ستمبر ۱۶۶۱ء کی اطلاع کے مطابق عبداللہ قطب شاہ گولکنڈہ اور بیجاپور کی سلطنتوں میں تعلقات کو بہتر اور مضبوط بنانے کے لیے اپنی لڑکی کی شادی علی عادل شاہ دوم سے کرنے کا خواہش مند ہے۔ وقائع نویس یہ بھی لکھتا ہے کہ اس سلسلے میں جو بھی پیش رفت ہوگی بعد ازاں اس کی اطلاع دی جائے گی۔[۱۲]

وقائع مورخہ ۱۵ر صفر ۱۰۷۲ھ م ۳۰ر ستمبر ۱۶۶۱ء میں دیگر اطلاعات کے علاوہ یہ اطلاع بھی تحریر کی گئی ہے کہ قطب الملک (عبداللہ قطب شاہ) کے جاسوسوں نے یہ اطلاع بہم پہنچائی ہے کہ سیدی جوہر کا انتقال ہو چکا ہے اور علی عادل شاہ دوم نے قلعہ کرنول کی سمت پیش قدمی کی ہے۔[۱۳]

حسبِ ذیل وقائع اس دور کے حیدرآباد کے معاشی سرگرمیوں پر روشنی ڈالتے ہیں:

وقائع مورخہ ۲۹ر ذی الحجہ ۱۰۷۱ھ م ۱۶ر اگست ۱۶۶۱ء میں لکھا گیا ہے کہ علی عالم فوجدار کرناٹک نے محمد زماں اور محمد رضا تاجرانِ فیل سے ۳۳۰۰ ہون میں چار ہاتھی خریدے۔[۱۴]

مغل وقائع نویس متعینہ حیدرآباد اپنے وقائع مورخہ ۲۷ر محرم ۱۰۷۲ھ م ۱۲ر ستمبر ۱۶۶۱ء میں لکھتا ہے کہ عمدۃ الملک جعفر خاں اور لشکر خاں کے آدمیوں نے تین ہاتھی حسبِ ذیل نرخ پر خریدے۔ ایک دنتیلا ہاتھی ــ ۹۰۰ ہون، دو مادہ ہاتھی ــ ۶۷۱۰ روپے۔[۱۵]

روزنامچہ وقائع مورخہ ۶ر صفر ۱۰۷۲ھ م ۲۱ر ستمبر ۱۶۶۱ء میں وقائع نویس لکھتا ہے کہ شاہی احکام کے مطابق بخشی الملکی صفی خاں نے اسے یعنی وقائع نویس کو خاصہ شریفہ کے لیے

ہاتھی خریدنے کے احکام دیے ہیں۔ وہ اس سلسلہ میں لکھتا ہے کہ ابھی جہازوں کی آمد کا سلسلہ شروع نہیں ہوا مگر اس نے میر قاسم کو شاہی خدمت کے لیے مناسب ہاتھی تلاش کرنے کی ہدایات دے دی ہیں[۱۶]

مغل وقائع نویس حیدرآباد سے جو وقائع روانہ کرتے تھے ان میں بعض اُس دور کے رسم ورواج کے بارے میں معلومات فراہم کرتے ہیں۔ اس بات کی شہادت کے لیے حسب ذیل وقائع پیش کیے جاتے ہیں۔

وقائع مورخہ ۶ محرم ۱۰۷۲ھ/۲۲ اگسٹ ۱۶۶۱ء کی اطلاع کے مطابق عبداللہ قطب شاہ نے اپنے داماد میر احمد، ایرانی ایلچی میر مقیم اور سیّد مظفر اور دوسروں کو ۱۰ محرم کے لیے ماتمی لباس عنایت کیے۔ علاوہ ازیں عبداللہ قطب شاہ کی والدہ نے بھی رضا قلی کو ۱۰ محرم کے لیے ماتمی لباس عطا کیا[۱۷]

۱۴ جمادی الثانی ۱۰۷۲ھ م ۲۵ جنوری ۱۶۶۲ء کے روزنامچہ وقائع میں یہ اطلاع درج ہے کہ عبداللہ قطب شاہ قلعہ گولکنڈہ کے نزدیک جہاں دو ندیوں کا سنگم ہے ہر سال غسل کرتا ہے۔ اس سال آج بھی وہ اپنی محل کے ساتھ وہاں گیا اور غسل کیا[۱۸]

مغل وقائع نویس متعینہ حیدرآباد کے روانہ کردہ کئی وقائع ایسے ہیں جن کے ذریعہ گولکنڈہ کی جانب سے ادا کی جانے والی پیش کش کے بارے میں اہم معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ ذیل میں دو وقائع پیش کیے جاتے ہیں:

وقائع مورخہ ۹ محرم ۱۰۷۲ھ م ۲۵ اگسٹ ۱۶۶۱ء میں حسب ذیل اطلاع درج ہے:

تادم تحریر پچاس ہزار روپے اور ایک لاکھ بیس ہزار ہون پیش کش کی بابت وصول ہوئے۔ اس میں سے پچاس ہزار روپے اور دس ہزار ہون کی رقم رکن السلطنت امیر الامرا (شائستہ خاں) کے ملازم خان محمد کو اس ہدایت کے ساتھ دی گئی کہ ہون کو سکۂ عالمگیری میں تبدیل کیا جائے اور اس رقم کو خزانہ عامرہ اورنگ آباد میں داخل کر دیا جائے۔ شہنشاہ کے حکم کے مطابق باقی ہون اندرون دو یوم بعد از ۱۰ محرم خزانہ عامرہ اورنگ آباد ارسال کر دیے جائیں گے[۱۹]

وقائع نویس، وقائع مورخہ ۲۴؍شوال ۱۰۷۲ھ م ۱۳؍مئی ۱۶۶۲ء کے ذریعہ یہ اطلاع بہم پہنچاتا ہے کہ پیش کش کی جملہ رقم دس لاکھ روپے میں سے جس کے لیے عبدالصمد نے ضمانت دی تھی مندرجہ بالا تاریخ کو انسٹھ ہزار، آٹھ سو گیارہ روپے، بارہ آنے سکۂ عالم گیری داخل خزانہ کیے گئے۔[۲۹]

اوپر صرف چند وقائع بیان ہوئے ہیں۔ اس موضوع پر آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز میں ایسے بہت سے کاغذات دستیاب ہیں۔ اگر آرکائیوز میں محفوظ اس اصل ریکارڈ کا دوسرے معاصر ماخذوں کے ساتھ مطالعہ اور تجزیہ کیا جائے تو اس بات کا یقین ہے کہ گولکنڈہ کی سیاسی، سماجی اور معاشی تصویر زیرِ نظر عہد میں زیادہ واضح اور صاف ہو کر سامنے آئے گی۔

ماخذ

آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز میں ریکارڈ کے دیگر زمروں کے علاوہ عہد شاہ جہاں اور عہدِ اورنگ زیب کے کاغذات (مغل کاغذات) بھی محفوظ ہیں۔ ذیل میں عہد اورنگ زیب کے ان کاغذات کے حوالے دیے جا رہے ہیں جو اس مضمون کا ماخذ ہیں:

1.	Document	No.	IV/432	11.	Document	No.	IV/509
2.	"	"	IV/449	12.	"	"	IV/565
3.	"	"	IV/464	13.	"	"	IV/568
4.	"	"	IV/480	14.	"	"	IV/431
5.	"	"	IV/497	15.	"	"	IV/521
6.	"	"	IV/507	16.	"	"	IV/551
7.	"	"	IV/582	17.	"	"	IV/476
8.	"	"	IV/953	18.	"	"	IV/1008
9.	"	"	IV/1024	19.	"	"	IV/483
10.	"	"	V/97	20.	"	"	IV/212.

روزنامچه

وقایع بلده حیدرآباد

محرم الحرام سنه یکهزار و دویست ...

یوم ...

۱۶ الحال قبل ازین بتاریخ بیست و هفتم شهر ذی الحجه

داخل واقعه نموده بود که قطب الملک بسبب آزار دندان

و درد گلو لعادت معهوده برنمی آمد الحال آزار

برطرف شد ثانی الحال باز درد دندان و گلو عود

نموده و برنمی آید بعد ازین انچه روی دهد داخل واقعه خواهد

شد

روز ...

وقایع ملک حیدرآباد

صورت ...

یوم ... ۱۴ ... مذکور میشود که قطب الملک ...

به علی عادل ... و درین ... خواهد شد ...

گفتگو درمیانه هست بعد ازین هرچه رو دهد داخل

واقعه خواهد نمود

روز ...

وقایع ملک حیدرآباد

سنهٔ ... جلوس همایون

بمولاه

... محمد مقیم وکیل والی ایران ازبان

منبر ... از ولایت آمده بود محمد مقیم ... پنج

طلبه میوه ولایتی بجهت قطب الملک فرستاده ... ملک

محمد مقیم که میوها را برده بود بسر ایا داد و ابراهیم

سر نوبت ... فرستاده محمد مقیم را طلبید و حویلی

حیدرآباد ... نمود ... داد و ... از مردم

محمد مقیم که از ولایت آمده بود سرایا دلعطا

...

روبکاری

وقایع ملک حیدرآباد

سوال سنه جلوس

مولود

[illegible] از جمله [illegible] لک روپیه وجه [illegible] مهوری که

ملا عبدالصمد صاحب مبلغ شش تاریخ صد و شصت و نه هزار

و هشتصد و یازده روپیه و [illegible] و سکه مبارک عالمگیر

و اصل ساخت [illegible]

[illegible]

عبدالرّزاق لاری کی وفاداری

معاصر مغل تاریخ اور آرکائیوز کے ریکارڈ کی روشنی میں

عبدالرّزاق لاری گولکنڈہ کی تاریخ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ شہر حیدرآباد کی چار سو سالہ تاریخ کا ایک تابندہ ستارہ ہے۔ وفاداری بشرطِ استواری کی کسوٹی پر پورا اترنے والے کئی اہم نام ہمیں اپنے ملک کی تاریخ میں یقیناً بکھرے ہوئے ملتے ہیں لیکن عبدالرّزاق لاری شاید اپنی طرز کا ایک لاثانی کردار ہے۔ اس نے ایک وفادار سپہ سالار کی حیثیت سے اپنے آخری قطرۂ خون تک وفاداری کے ان مٹ نقش چھوڑے ہی نہیں بلکہ اس نے حکومت اور اقتدار کے چلے جانے کے بعد بھی اورنگ زیب جیسے جلیل القدر شہنشاہ کے ہر پیش کش کو محض اس لیے قبول نہیں کیا کہ اس کا ضمیر یہ ماننے کے لیے تیار ہی نہیں ہوتا تھا کہ وفاداری تبدیل ہو اور وقت کی مصلحتوں سے کام لیتے ہوئے سمجھوتہ کرلیا جائے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ اس نے گولکنڈہ کے معرکے کے ڈانڈے سانحۂ کربلا سے ملا دیئے تھے اور وہ گولکنڈہ کی حفاظت اور گولکنڈے کے محاصرہ کو ناکام بنادینے کو شاہ ابوالحسن سے اپنی وفاداری کا تقاضہ ہی نہیں بلکہ اپنا مقدّس فریضہ بھی تصوّر کرتا تھا۔ ایسا دوسرا کردار جو سپہ سالار کی حیثیت سے بھی عالی مرتبت ہو جرأت و شجاعت میں بھی یکتا ہو اور ساتھ ہی ساتھ وفاداری اور اعلیٰ ظرفی کا پیکر بھی ہو حیدرآباد اور گولکنڈہ کی تاریخ میں نہیں ملے گا۔ اس کردار اور اس کی عظمت کو جاننے کے لیے گولکنڈہ کے محاصرہ اور اس کے تاریخی پس منظر

ے آگاہ ہونا ضروری ہے۔
اورنگ زیب نے اپنے طویل ۵۰ سالہ عہدِ حکومت کا دوسرا نصف حصّہ دکن میں
زرا تھا۔ تقریباً ۲۵ سال کا یہ عرصہ بیجا پور اور گولکنڈہ کو فتح کرنے، مرہٹوں سے جنگ کرنے
ر انھیں زیر کرنے میں گزرا۔ اسی عہد میں تقریباً سارا ہندوستان مغلوں کے تحت آگیا تھا۔
رنگ زیب نے ۱۶۸۶ء میں بیجاپور کو فتح کیا اور اس کے بعد وہ گولکنڈے کی جانب متوجہ
وا۔ (اس سے قبل ۱۶۵۶ء اور ۱۶۸۵ء میں گولکنڈے کو فتح کرنے کی زبردست کوششیں
وئی تھیں لیکن ان معرکوں میں چند وجوہ کی بنا پر مغلوں کو کامیابی حاصل نہیں ہوسکی تھی) ماثرِ
المگیری کے مطابق اورنگ زیب کی جانب سے قلعہ گولکنڈہ کا محاصرہ ۲۴ر جنوری ۱۶۸۷ء
سے ۲۱ر سیتمبر ۱۶۸۷ء تک جاری رہا۔ اس طرح قلعہ گولکنڈہ کے محاصرہ کی مدت آٹھ ماہ
سے زیادہ رہی۔ مغلوں کو جب اس طویل محاصرہ کے دوران میں قلعہ کی تسخیر انتہائی دشوار
ظر آنے لگی تو انھوں نے گولکنڈہ کے بعض امرا کے ساتھ سازش کے ذریعہ مقصد براری کی
کوشش کی۔ مغلوں کی فوج کشی، قلعہ گولکنڈہ کا طویل محاصرہ، قطب شاہی افواج کی مدافعت
اور قلعہ گولکنڈہ کی تسخیر کی تفصیلات یہ سب اس مضمون کا موضوع نہیں ہیں بلکہ اس مضمون میں
گولکنڈہ کے وفادار سپہ سالار عبدالرزاق لاری کے کردار پر روشنی ڈالنا مقصود ہے جس
نے اپنے ملک اور مالک کی مدافعت کی خاطر کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ اس کی قوتِ ارادہ،
شجاعت، جرات اور کردار کی استقامت اورنگ زیب جیسے مدبّر حکمران کو متاثر کیے
بغیر نہ رہ سکی۔ اورنگ زیب نے نہ صرف یہ کہ اس کا معقول علاج کروایا بلکہ اسے ہر طرح
ترغیب دی کہ وہ باوقار اور شایانِ شان انداز میں مغل فوج میں اعلیٰ عہدہ اور رتبہ کو قبول
کرے۔ عبدالرزاق لاری نے یہ پیش کش قبول نہیں کیے اور ممکنہ کوشش کی کہ کسی طرح
اسے مغل سلطنت سے وابستہ نہ کیا جائے لیکن جب انتہائی مجبوری کی حالت میں اسے مغل
حکومت کے عہدے قبول کرنے پڑے تو اس کے بعد بھی اس کی اس خواہش اور کوشش
میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی کہ اس کی نئی وابستگی کو ختم کردیا جائے۔ اس نے چوں کہ طوعاً و کرہاً

مغل سلطنت میں ملازمت قبول کی تھی اس لیے وہ اعلیٰ اعزاز و اعلیٰ منصب ملنے پر بھی خوش نہ تھا اور کچھ عرصہ بعد ہی وہ اپنی ملازمت چھوڑ کر اپنے وطن چلا گیا۔ اس بارے میں تمام تفصیلات کسی اور کتاب میں نہیں بلکہ خافی خاں نظام الملک کی معاصر مغل تاریخ منتخب اللباب میں دستیاب ہیں۔ مغل امرا پر اہم اور یادگار تصنیف ماثر الامرا میں بھی عبدالرزاق لاری پر کچھ مواد دستیاب ہے۔ سر جادو ناتھ سرکار، ہارون خاں شروانی اور عبدالمجید صدیقی نے اپنی کتابوں میں عبدالرزاق لاری کے بیان کے سلسلے میں ان معاصر تصانیف سے استفادہ ضرور کیا ہے لیکن اس سلسلے میں سارا مواد سامنے نہیں آیا ہے۔ متذکرہ بالا معاصر تصانیف کے علاوہ چند اور کتابوں مثلاً حدیقۃ العالم، گلزار آصفیہ میں بھی کچھ مواد ملتا ہے لیکن یہ کتابیں چوں کہ بعد کے ادوار میں لکھی گئی ہیں اس لیے ان کتابوں کے مقابلہ میں اول الذکر تصانیف کو ہی زیادہ مستند سمجھا جا سکتا ہے۔ چناں چہ یہ مضمون دو معاصر مغل کتابوں منتخب اللباب اور ماثر الامرا میں فراہم کردہ مواد کی بنیاد پر قلم بند کیا گیا ہے ان کتابوں کے علاوہ آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز میں محفوظ عہد اورنگ زیب کے کاغذات میں سے عبدالرزاق لاری سے متعلق دو کاغذات سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

منتخب اللباب میں عبدالرزّاق لاری کے بارے میں جو تفصیلات دی گئی ہیں ان کا خلاصہ مختصر الفاظ میں اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے۔

قلعہ گولکنڈہ کے محاصرہ کے دوران ابوالحسن تاناشاہ کے اکثر امرا مغلوں سے جا ملے تھے جہاں انھیں انعام و اکرام، بڑے بڑے خطابات اور مناصب سے نوازا گیا تھا۔ آخر میں ابوالحسن کے ساتھ بڑے امرا میں صرف عبدالرّزاق لاری اور عبداللہ خاں پنی باقی رہ گئے تھے۔ ان میں سے بھی عبداللہ خاں بالآخر سازش کا شکار ہو کر مغلوں سے جا ملا۔ اب صرف تنہا عبدالرزاق لاری باقی رہ گیا تھا جو نہ کسی لالچ کا شکار ہوا اور نہ کسی قوت و دبدبہ سے خوف زدہ ہوا اور برابر قلعہ کی مدافعت کے لیے ڈٹا رہا۔ عبدالرزاق لاری کے نام بھی اورنگ زیب نے ایک فرمان روانہ کیا تھا جس میں یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ اگر وہ ابوالحسن

ن ملازمت چھوڑ کر مغلوں کی ملازمت قبول کر لے تو اسے چھ ہزار ذات اور چھ ہزار سوار کی نصب اور دیگر عنایات سے نوازا جائے گا مگر اس نے نہ صرف اس پیش کش کو قبول کرنے سے انکار کر دیا بلکہ فرمان کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے پھینک دیئے اور جو شخص فرمان لایا تھا س کے ذریعہ زبانی یہ پیام بھیجا۔ "یہ لڑائی کربلا کی جنگ سے ملتی جلتی ہے اور جب تک عبدالرزاق زندہ ہے وہ بائیس ہزار کی اس فوج میں شریک نہیں ہوگا جس نے پہلے تو امام کے ہاتھ پر بیعت کی تھی پھر امام پر ہی تلوار کھینچ لی تھی بلکہ بہتر اشخاص کی جمعیت میں شامل رہ کر دنیا اور آخرت میں سرخ رو ہونے کا امیدوار ہے۔" عبدالرزاق لاری کی وفاداری اور دلیری کی وجہ سے مغل فوج طویل عرصہ تک قلعہ کو محصور رکھنے اور اس دوران لگاتار حملے کرنے کے باوجود قلعہ تسخیر نہ کر سکی اور آخر کار آٹھ ماہ بعد قلعہ کسی فوجی کارروائی کے بغیر ہی بآسانی مغلوں کے ہاتھ آ گیا۔

ابوالحسن تاناشاہ کے معتبر ملازم عبداللہ خاں پنی نے مغلوں سے ہاتھ ملا لیا اور قلعہ کی تسخیر کے لیے اس نے مغلوں سے سازش کی۔ اس سازش کی وجہ سے مغل سپہ سالار روح اللہ خاں، مختار خاں، رن مست خاں، صف شکن خاں اور جاں نثار خاں، غدار عبداللہ خاں کی رہنمائی اور مدد سے قلعہ کے اندر داخل ہو گئے۔ ان لوگوں کے اندر داخل ہو جانے پر چاروں طرف فتح کا شور بلند ہوا۔ جوں ہی عبدالرزاق لاری کو اس بات کی اطلاع ملی وہ ایک ہاتھ میں تلوار اور ایک ہاتھ میں ڈھال لے کر گھوڑے پر سوار ہو گیا اور اپنے دس بارہ ساتھیوں کے ساتھ قلعہ کے دروازہ پر پہنچا۔ چوں کہ دروازہ کھولا جا چکا تھا اس لیے مغل فوج جوق در جوق اندر داخل ہو رہی تھی۔ عبدالرزاق لاری کی حیثیت دریا کے سامنے ایک قطرہ اور سورج کے مقابل ایک ذرّہ کے مانند تھی لیکن وہ اس قدر جری اور دلیر تھا کہ اس نے کچھ دیر کے لیے اکیلے ہی مغل فوج کا راستہ روک دیا اور اس جرأت اور بہادری کے ساتھ کہ عقل نہیں مان سکتی۔ وہ مسلسل دشمن کے سپاہیوں پر حملہ کر رہا تھا۔ اور چیخ رہا تھا "میری جان ابوالحسن پر قربان ہے"۔ اس مقابلہ میں اسے تلواروں اور نیزوں

کے اتنے شدید زخم آئے کہ سر سے پاؤں تک وہ خون میں نہا گیا۔ وہ زخموں سے چور تھا۔ صرف اس کے چہرے پر بارہ زخم آئے تھے۔ لڑتے لڑتے اس کی حالت غیر ہو گئی اور آخر اس کے ہاتھ سے باگ چھوٹ گئی۔ اس کا گھوڑا جو زخموں سے لرز رہا تھا اسے لے کر باغ نگینہ پہنچا اور ایک پرانے درخت کے نیچے رک گیا۔ جہاں دوسرے دن تک عبدالرزاق بے ہوش پڑا رہا۔ دوسرے روز گھوڑے اور دوسری علامتوں سے اسے پہچانا گیا۔ لوگوں نے اسے چارپائی پر ڈال کر گھر پہنچا دیا۔ جہاں اس کی مرہم پٹی کی گئی۔ عبدالرزاق لاری کو بالکل بے ہوش حالت میں جب کہ اس میں بس زندگی کی رمق رہ گئی تھی مغل سپہ سالار روح اللہ خاں کے پاس پہنچایا گیا۔ مغل امرائے نے اورنگ زیب کے سامنے اس کا حال بیان کیا۔ جب اورنگ زیب کو لاری کی وفاداری اور دلیری کی تفصیلات کا علم ہوا تو اورنگ زیب نے روح اللہ خاں سے کہا "اگر ابوالحسن کے پاس عبدالرزاق لاری جیسا ایک اور آدمی ہوتا تو شاید قلعہ کی تسخیر میں اتنا ہی عرصہ اور لگ جاتا۔"

اورنگ زیب نے لاری کا علاج کروانے کا حکم دیا۔ چناں چہ بادشاہی معالجوں میں سے ایک فرنگی طبیب اور ایک ہندو وید کو لاری کے علاج کے لیے مقرر کیا گیا۔ جرّاحوں کی رپورٹ کے مطابق لاری کو ستّر زخم لگے تھے اور زخم پر جو زخم لگے تھے وہ بے شمار تھے مگر اس کی ایک آنکھ محفوظ رہ گئی تھی۔ تیرہ دن کے علاج کے بعد طبیبوں نے اورنگ زیب کو یہ رپورٹ پیش کی کہ لاری نے آنکھ کھول دی ہے وہ باتیں کرنے لگا ہے اور اس کے صحت یاب ہو جانے کی امید ہے۔ یہ اطلاع سن کر اورنگ زیب نے اسے یہ پیغام پہنچانے کا حکم دیا کہ اس کے قصور معاف کر دیئے گئے۔ وہ اپنے بڑے بیٹے عبدالقادر کو دوسرے بیٹوں کے ساتھ روانہ کرے تاکہ ان کو منصب سے سرفراز کیا جائے اور وہ اپنے والد کی جانب سے قصوروں کی معافی پیش کر کے اس کے لیے بھی منصب اور عنایات حاصل کریں۔ یہ پیغام ملنے پر عبدالرزاق لاری نے اورنگ زیب کی قدردانی کا شکریہ ادا کیا اور جواب دیا کہ اب زندگی کی کوئی امید نہیں رہی اور اگر خدا تعالیٰ اپنی عنایت سے دوبارہ زندگی بخش بھی دے تو

اس بے دست و پا سے بادشاہ کی نوکری نہ ہو سکے گی کہ جس شخص کے جسم کا رواں رواں ابوالحسن کے نمک سے پرورش پایا ہے وہ عالم گیر بادشاہ کی ملازمت نہیں کرسکتا۔ اس جواب سے اورنگ زیب رنجیدہ و برہم ہوا مگر اس نے حکم دیا کہ جب عبدالرزاق لاری پوری طرح صحت یاب ہو جائے تو اس کی کارروائی ملاحظہ کے لیے پیش کی جائے۔

عبدالرزاق لاری کی مکمل صحت یابی کی اطلاع ملنے پر اورنگ زیب نے صوبہ دار کے نام احکام روانہ کیے کہ لاری کو تسلی و دلاسہ دے کر دربار میں روانہ کیا جائے مگر لاری نے حاضری سے معافی دینے کی درخواست کرتے ہوئے عرض کیا کہ اسے اہل و عیال کے ساتھ بیت اللہ روانہ کر دیا جائے۔ اس درخواست پر اورنگ زیب نے حکم دیا کہ لاری کو قید کر کے دربار میں بھیج دیا جائے۔ جب نامور سپہ سالار فیروز جنگ کو اس بارے میں اطلاع ملی تو اس نے بادشاہ سے لاری کی سفارش کی اسے کچھ عرصہ تک اپنے پاس رکھا اور اس کی دل دہی کی۔ ایک سال بعد عبدالرزاق لاری کو چار ہزاری ذات اور تین ہزار سوار کا منصب عطا ہوا جسے اس نے قبول کیا اور اس طرح وہ اورنگ زیب کی ملازمت میں داخل ہو گیا۔ اس منصب کے عطا کیے جانے کے بعد عبدالرزاق لاری عادل شاہی کوکن کی فوجداری کی خدمت پر مامور کیا گیا۔

عبدالرزاق لاری اعلیٰ منصب کے عطا ہونے اور فوجداری کی خدمت پر مامور کیے جانے کے باوجود مغل ملازمت سے خوش نہیں تھا اور وطن لوٹ جانے کا ارادہ ظاہر کیا کرتا تھا۔ اس کی فوجداری کے علاقے میں متعینہ سوانح نگار نے اطلاع روانہ کی کہ عبدالرزاق لاری جہاز پر سوار ہو کر وطن واپس ہو جانے کا ارادہ کر رہا ہے۔ یہ اطلاع ملتے ہی اورنگ زیب نے عبدالرزاق کو خدمت سے معزول کر دیا اور گرز برداروں کو روانہ کیا کہ عبدالرزاق لاری کو دربار میں پیش کیا جائے۔ ان احکام کا پتہ چلتے ہی وہ گرز برداروں کے پہنچنے سے قبل نکل پڑا اور تیزی کے ساتھ دربار میں پہنچ گیا۔ جب وہ اورنگ زیب سے ملا تو اسے کسی قسم کی سزا دینے کی بجائے اضافہ منصب سے نوازا گیا اورنگ زیب نے پانچ ہزاری ذات اور

پانچ ہزار سوار کی منصب عطا کر کے اسے راہیری کی فوجداری پر مامور کر دیا۔ راہیری کے سوانح نگار کی شکایت پر لاری کو اس خدمت سے ہٹا کر دربار میں بلا لیا گیا۔ عبدالرزاق لاری نے راستہ ہی سے اپنا استعفیٰ روانہ کر دیا اور کعبۃ اللہ جانے کی اجازت مانگی۔ جب وہ دربار میں پہنچا تو اورنگ زیب نے خفیہ طور پر مخلص خان بخشی کو یہ کام حوالہ کیا کہ وہ کسی طرح لاری کو رخصت کے ارادہ سے باز رکھے مگر جب وہ کسی طرح راضی نہ ہوا تو اورنگ زیب نے اسے اہل و عیال کے ساتھ رخصت ہونے کی اجازت دے دی۔

عبدالرزاق لاری نے کعبۃ اللہ جانے کی اجازت مانگی تھی مگر وہ اپنے وطن لار (ایران) چلا گیا۔ یہ اطلاع ملنے پر اورنگ زیب نے لاری کو واپس لانے کے لیے اس کے بیٹے عبدالکریم کو مقرر کیا۔ لاری کے لیے فرمان اور خلعت اور سورت کی بندرگاہ کے خزانہ کے نام پچاس ہزار روپیہ نقد ادائی کے احکام جاری ہوئے۔ فرمان میں یہ کہا گیا تھا کہ عبدالرزاق لاری اپنے وطن لار سے ایک ہزار منتخب آدمیوں کو لے کر ہندوستان آئے۔ لاری کے بیٹے عبدالکریم کو وہاں پہنچنے پر یہ اطلاع ملی کہ شاہ ایران کے طلب کرنے پر عبدالرزاق لاری لار سے روانہ ہوا تھا مگر شیراز کے قریب پہنچنے کے بعد وہ انتقال کر گیا۔ اورنگ زیب کو اس کے انتقال کی اطلاع سن کر بہت رنج ہوا اور اس کے بیٹے عبدالکریم کو ہندوستان واپس آجانے کے احکام روانہ کر دیے گئے۔[1]

خافی خان نظام الملک اپنی کتاب منتخب اللّباب میں عبدالرّزاق لاری کے تذکرہ کو حسب ذیل جملہ پر ختم کرتا ہے:

"حیدرآباد کے امرا میں عبدالرّزاق لاری نے جس عزّت و آبرو سے زندگی بسر کی کسی اور نے نہیں کی۔"[2]

عبدالرزاق لاری کو منصب عطا کیے جانے اور فوجداری کی خدمت پر مامور کیے جانے کا جو تذکرہ منتخب اللّباب میں کیا گیا ہے وہ تذکرہ ماثرالامرا میں بھی موجود ہے لیکن سنین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز میں محفوظ عہد اورنگ زیب

کے اسناد میں موجود دو کاغذات "انتخاب سیاہہ حضور اشرف" سب سے زیادہ معتبر اور مستند ہیں۔ انتخاب سیاہہ حضور اشرف مورخہ ۲۰ ربیع الاول ۱۱۰۰ھ م ۲ جنوری ۱۶۸۹ء کے مطابق عبدالرزاق لاری کو چار ہزاری ذات اور تین ہزار سوار کی منصب عطا ہوئی تھی اور اسے خان کا خطاب اور ایک تلوار بھی مرحمت کی گئی تھی[۳] دوسرے انتخاب سیاہہ حضور اشرف مورخہ ۱۶ رجب ۱۱۰۰ھ م ۲۶ اپریل ۱۶۸۹ء کے بموجب لاری کو تلکوکن (سابق میں تلکوکن عادل شاہی علاقہ میں شامل تھا) کی فوجداری کی خدمت پر مقرر کیا گیا تھا اس موقع پر اسے خلعت اور ایک مرصع خنجر بھی عنایت کیا گیا تھا۔[۴]

حوالے

۱۔ محمد ہاشم خاں المخاطب خافی خاں نظام الملکی، منتخب اللباب حصہ دوم

اس فارسی کتاب میں عبدالرزاق لاری کا تذکرہ ص ۳۴۶ سے ص ۴۵۹ تک بکھرا ہوا ہے

اس مضمون میں لاری کے تذکرہ کو تسلسل کے ساتھ خلاصہ کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔

اس سلسلہ میں منتخب اللباب کا اردو ترجمہ شائع شدہ نفیس اکیڈمی، کراچی بھی پیش نظر رہا۔

۲۔ محمد ہاشم خان خافی خان نظام الملک، منتخب اللباب، حصہ دوم ص ۴۵۹

3. Dr. Yusuf Husain Khan, Selected Document of Aurangzeb's Reign, Doc. A.R.No.886, pp.195 - 197.

4. Dr. Yusuf Husain Khan, Selected Document of Aurangzeb's Reign, Doc. A.R.No.891, pp.212 - 213.

(۱۴۷) انتخاب سیاهه حضور اشرف اقدس اعلی

۱۶ - رجب سنه ۳۲ جلوس والا

روــز

شنبه رساله بخشی الملک بهره مند خان به نیابت عنایت خان

کما فصلت

منصــب

میر محمد صفی ولد میر محمد تقی خویش محسن خان داروغه بندر چول

شرح دستخط آنکه تسلیمات بجا آورده
و خلعت مرحمت شد و رخصت شد - بیض

۱۳ - رجب سنه ۳۲

چهارصدی

۱۰۰ نفر

اصــــــــــــــــــــــل اضــــــــــــــــــــــافه

چهارصدی ٥ ماهه جاگیر	بشرط خدمت
۲۰ نفر	۸۰ نفر

سیاهــه

عبدالرزاق خان لاری

شرح دستخط آنکه بخدمت فوجداری
تلکوکن عادلخانی سرافراز شد - خلعت
و خنجر مرصع مرحمت گردید -

مجاہدِ آزادی مولوی علاء الدین

حالات اور شخصیت کے نئے گوشے

ہندوستان کی پہلی جنگ آزادی ۱۸۵۷ء اور اس سے قبل آزادی کی جو تحریکیں ملک کے مختلف حصّوں میں چل رہی تھیں حیدرآباد ان سے غیر متعلق نہیں رہا۔ عام طور پر یہ تاثر پایا جاتا ہے کہ دیسی ریاست ہونے اور انگریزوں سے گہرے تعلقات کی وجہ سے یہاں آزادی کی تحریکوں کا پروان چڑھنا ممکن نہ تھا لیکن تحقیقات سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ جدوجہد آزادی کی جو آگ ملک کے طول و عرض میں پھیل گئی تھی حیدرآباد اس میں تماشائی نہیں تھا۔ یہاں جن نازک حالات میں، آزادی کے لیے جس جوش و خروش کا اظہار کیا گیا تھا اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

افضل الدّولہ (۱۸۵۷ - ۱۸۶۹ء) اپنے والد ناصر الدّولہ کے انتقال پر (۱۸۵۷ء) کی جنگِ آزادی کے دوران مسند نشین ہوئے اسی لیے انھیں اپنی ریاست میں نازک اور پیچیدہ صورتِ حال سے دوچار ہونا پڑا۔ یہ صحیح ہے کہ حیدرآباد میں بڑے پیمانے پر بغاوت رونما نہیں ہوئی تھی لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ ملک کے دوسرے حصّوں کے عوام کی طرح یہاں بھی عوام مخالف برطانوی جذبات رکھتے تھے اور شمالی ہندوستان میں ہونے والے واقعات کی تفصیلات سن کر وہ چاہتے تھے کہ والیِ ریاست نواب افضل الدولہ بہادر اور ریاست کے مدار المہام سالار جنگ اوّل (۱۸۵۳ - ۱۸۸۳ء) ریاست سے

بیرونی تسلط کے خاتمہ کے لیے جدوجہد میں شامل ہوں اور سب کی رہنمائی کریں۔ افضل الدولہ کے مسند نشین ہونے کے کچھ ہی عرصے بعد یہاں یہ اطلاع پہنچی کہ دہلی میں جنگ آزادی کا آغاز ہو چکا ہے تو ریاست کے دارالخلافہ شہر حیدرآباد میں عوام کی مخالف برطانوی سرگرمیاں ظاہر ہونے لگیں۔ شہر حیدرآباد میں چند چھوٹے موٹے واقعات ضرور پیش آئے لیکن رزیڈنسی پر حملہ پہلا اور آخری بڑا واقعہ تھا جو شہر حیدرآباد میں پیش آیا۔ رزیڈنسی پر حملہ آوروں کے لیڈر طرہ باز خاں گرفتار کر لیے گئے ان پر مقدمہ چلایا گیا اور انھیں کالے پانی کی سزا دی گئی۔ طرّہ باز خاں جیل سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے انھیں دوبارہ گرفتار کیا گیا اور فرار ہونے کی کوشش پر انھیں گولی ماردی گئی۔ مولوی علاء الدین پر بھی جو رزیڈنسی پر حملہ میں طرّہ باز خاں کے ساتھ حملہ آوروں کی قیادت کر رہے تھے مقدمہ چلایا گیا اور انھیں جزائرِ انڈامان میں حبسِ دوام کاٹنے کی سزا دی گئی جو اس زمانے میں سزائے موت کے بعد سب سے زیادہ سخت سزا تصوّر کی جاتی تھی۔ تمام تحقیقی کتابوں مثلاً Freedom Struggle in Hyderabad جلد دوم Who is Who in Andhra Pradesh جلد اوّل اور Nizam British Relations میں مولوی علاء الدین کا سنِ وفات ۱۸۸۴ء لکھا گیا ہے۔ مزید برآں ان کتابوں سے مولوی علاء الدین کی زندگی کے اس طویل عرصہ کے بارے میں کوئی معلومات حاصل نہیں ہوتیں جو مولوی صاحب نے جزائرِ انڈامان میں گزارا تھا۔

آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز کے آصف جاہی ریکارڈ میں راقم الحروف کو سابق ریاست حیدرآباد کی معتمدیِ عدالت کی ایک مثل دستیاب ہوئی ہے جو مولوی صاحب کی زندگی کے ان پہلوؤں پر سے پردہ ہٹاتی ہے جو اب تک تاریکی میں تھے۔ اس مثل سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ مولوی علاء الدین ۱۸۸۹ء تک بقیدِ حیات تھے۔ مولوی علاء الدین نے اپنی رہائی کے سلسلہ میں کیا کوششیں کی تھیں ان کی رہائی کے بارے میں حکومت ہند اور حکومت ریاست حیدرآباد کی جانب سے کیا اقدامات کیے گئے تھے پورٹ بلیر میں ۱۸۶۰ء تا ۱۸۸۹ء یعنی تقریباً تیس سال مولوی صاحب کی کیا مصروفیات رہیں اور اس دوران

ان کی صحت کیسی رہی ان تمام امور کے بارے میں یہ مثل تفصیلات سے آگاہ کرتی ہے۔
اس مثل میں حکومت حیدرآباد کے نام مولوی علاء الدین کی پیش کردہ اصل فارسی درخواست
کے ساتھ منسلک کردہ ڈاکٹروں کے طبی صداقت نامے اور عہدیداروں کے توصیفی اسناد
testimonials موجود ہیں۔ مولوی صاحب کی اس درخواست پر حکومتِ حیدرآباد کی جانب
سے کیا کارروائی کی گئی تھی اس سے متعلق کاغذات بھی اس مثل میں موجود ہیں۔ اس مثل کی تمام
کارروائی ذیل میں درج کی جاتی ہے :

مولوی علاء الدین اپنی درخواست مورخہ ۲۹ رجمادی الاوّل ۱۳۰۶ھ یکم فبروری
۱۸۸۹ء میں لکھتے ہیں کہ انھیں ۱۸۵۷ء میں حیدرآباد ریزیڈنسی پر حملہ کے جرم میں عمر قید کی سزا دے کر
پورٹ بلیر بھیج دیا گیا جہاں وہ تقریباً تیس سال کا عرصہ گزار چکے ہیں اور یہاں اپنی آمد سے لے کر اب تک وہ کسی
قصور کے مرتکب نہیں ہوئے۔ تمام حکام ان سے رضامند رہے اور اکثر نے خوشنودی کے صداقت نامے
بھی عطا کیے ہیں۔ چوں کہ یہاں قیدیوں کی رہائیِ مطلق کے لیے بیس سال کی مدّت مقرر ہے اس
لیے ہزارہا قیدی جو مختلف جرموں کی پاداش میں یہاں سزا بھگت رہے تھے مدّتِ معینہ کی
تکمیل کے بعد رہا ہو کر اپنے وطن لوٹ چکے یا لوٹ رہے ہیں لیکن وہ اپنے حسنِ سلوک اور
تقریباً تیس سال کی مدّت گزارنے کے باوجود یہیں پر موجود ہیں۔ سابق میں ان کی رہائی کے
سلسلے میں جو کارروائیاں ہوئی تھیں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے مولوی علاء الدین لکھتے ہیں
ہیں کہ ۱۸۷۷ء میں حکومتِ ہند نے ان کی رہائیِ مطلق کے لیے حکومتِ حیدرآباد کو لکھا تھا
لیکن بدقسمتی سے اس وقت ریاست کے مدارالمہام سالار جنگ اول نے جو ایک عرصے
سے مولوی صاحب سے ناخوش تھے اس تجویز کو نامنظور کر دیا۔ چناں چہ حکومت ہند نے انھیں
صرف اس جزیرہ کی حد تک رہائی عطا کی۔ ان کی رہائی کے لیے حکومت ہند کی جانب سے
کی جانے والی سرکاری کارروائی کے بارے میں مولوی صاحب لکھتے ہیں کہ تقریباً تین سال
قبل حکومت ہند کے معتمد داخلہ مسٹر میکنزی دورے کی غرض سے پورٹ بلیر تشریف لائے تھے
اور اتفاقاً مولوی صاحب کی ان سے ملاقات ہوئی تھی۔ چیف کمشنر نے ان کی تمام سرگزشت معتمد

داخلہ کو سنائی اور معتمد داخلہ نے مولوی صاحب سے بھی استفسارات کیے اور وعدہ کیا کہ وہ کلکتہ پہنچ کر مولوی صاحب کی رہائی مطلق کے بارے میں حکومت ہند کو رپورٹ پیش کریں گے۔ چناں چہ معتمد داخلہ نے حسب وعدہ رپورٹ پیش کی جسے گورنر جنرل نے غور و خوض کے لیے کونسل میں پیش کیا۔ جب یہ معاملہ کونسل میں پیش ہوا تو کونسل نے طے کیا کہ مولوی صاحب کو آزادیِ مطلق دی جانی چاہیے۔ گورنر جنرل نے ان کی رہائی مطلق کی اجازت کے حصول کے لیے کونسل کی تجویز حکومت ریاستِ حیدرآباد کو روانہ کی لیکن ریاست کے مدارالمہام وقت لائق علی خاں سالار جنگ دوم نے اس تجویز کو نامنظور کر دیا اور تجویز حکومت ہند کو واپس کر دی۔ اس طرح حکومت ہند کی دونوں تجاویز حکومت حیدرآباد کی جانب سے نامنظور کر دی گئیں۔ اس کے بعد خود مولوی صاحب نے چیف کمشنر اور ڈاکٹروں کی سفارشات کے ساتھ حکومت ہند کو ایک درخواست پیش کی تھی جس میں انھوں نے استدعا کی تھی کہ انھیں ہندوستان واپس ہونے کی اجازت مرحمت کی جائے لیکن حکومت ہند نے یہ کہتے ہوئے ان کی درخواست نامنظور کر دی کہ حکومت ریاستِ حیدرآباد کی اجازت کے بغیر ان کی رہائیِ مطلق ممکن نہیں۔ حکومتِ ہند کے اس موقف کے پیشِ نظر مولوی علاءالدین کو اپنی رہائی کے لیے راست حکومتِ حیدرآباد سے رجوع ہونا پڑا۔ چناں چہ وہ اپنی اس درخواست میں بیان کرتے ہیں کہ وہ اس جزیرہ میں تقریباً تیس سال کی مدت گزار چکے ہیں۔ جب وہ اس جزیرہ پر پہنچے تھے تو اُس وقت وہ جوان، تندرست اور قوی ہیکل تھے لیکن اب وہ کافی ضعیف ہو چکے ہیں اور کئی امراض میں مبتلا ہیں کمزوری کا یہ عالم ہے کہ پانچ وقت کی نماز بیٹھ کر اشاروں سے پڑھتے ہیں اور کسی کی مدد کے بغیر ان کا حرکت کرنا مشکل ہے۔ انھوں نے اپنی درخواست کے ساتھ جو طبّی صداقت نامے منسلک کیے ہیں ان سے ان کی طبعی حالت کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ انھوں نے اپنی درخواست کے آخر میں رہائی مطلق کی منظوری عطا کرنے کی استدعا کی تاکہ وہ اپنی عمر کی بقیہ قلیل مدت گوشہ نشینی میں خدا تعالیٰ کی عبادت اور دعائے خیر میں صرف کر سکیں۔

مولوی صاحب نے درخواست کے ساتھ (۸) طبّی صداقت نامے منسلک کیے تھے یہ صداقت
نامے جونیر اور سینئر میڈیکل افسروں کی جانب سے ۱۸۸۶ء اور ۱۸۸۹ء کے دوران جاری کیے
گئے تھے۔ ان صداقت ناموں سے پتہ چلتا ہے کہ مولوی علاء الدین کئی امراض میں مبتلا تھے مثلاً
گھٹیا اور double inguinal hernia وغیرہ ضعیفی کی وجہ سے ان کی بصارت بہت کمزور ہوگئی
تھی۔ بہت پہلے بندوق کی گولی لگنے کی وجہ سے وہ سیدھے بازو سے معذور ہوگئے تھے۔ ان کی
پیشانی پر زخم کا نشان تھا اور کندھے پر تلوار کے وار کا گہرا زخم تھا تقریباً سب ہی ڈاکٹروں کی
یہ رائے تھی کہ مولوی علاء الدین اس مقام سے واپس ہونے کے لیے بہت بے چین ہیں اس لیے
تبدیلیِ مقام کی اجازت دی جانی چاہیے تاکہ ان کی صحت بہتر ہوسکے ان کے مصائب میں
کمی اور ان کی عمر میں اضافہ ہوسکے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پورٹ بلیر کے تمام عہدیدار مولوی
علاء الدین سے بے حد خوش تھے اور ان سے ہمدردی رکھتے تھے مولوی صاحب نے اپنی درخواست
کے ساتھ ۳۴ توصیفی اسناد بھی منسلک کیے تھے جو ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ، اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ
اگزیکٹیو انجنیر اور پولس ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ کی جانب سے جاری کیے گئے تھے۔ یہ صداقت
نامے مولوی علاء الدین کے بارے میں اہم اور بالکل نئی معلومات مہیا کرتے ہیں۔ ان صداقت
ناموں کے مطابق مولوی صاحب ۲۲ جنوری ۱۸۶۰ء کو پورٹ بلیر پہنچے تھے اور بحیثیت قیدی ان
کا نمبر ۳۸۰۷ تھا چوں کہ وہاں فارسی جاننے والوں کی کمی تھی اسی لیے انھوں نے اپنی خدمات
پیش کیں اور تین مختلف ڈویژنوں میں محرر کے طور پر خدمات انجام دیں۔ اس علاقہ میں بڑے
پیمانے پر کاشت کاری کے لیے بھی ان کا تعاون حاصل رہا۔ انھوں نے وہاں آٹے کی گرنی کھولی
تھی اور دودھ کی فراہمی کے لیے گتہ حاصل کیا تھا۔ مولوی صاحب نے ساجھے داری میں ایک دکان
بھی کھولی تھی۔ انگریز عہدیداروں نے اپنے صداقت ناموں میں ان کی دیانت داری کی بڑے اچھے
الفاظ میں تعریف کرتے ہوئے ضرورت کی اشیا ان کی دکان سے خریدنے کی سفارش بھی کی تھی۔
بعض انگریز عہدیداروں نے فارسی سیکھنے کے لیے انھیں اپنا استاد مقرر کیا تھا۔ جن عہدیداروں
نے صداقت نامے جاری کیے تھے وہ تمام اس بارے میں متفق الرائے تھے کہ مولوی علاء الدین

ایک بے حد با اخلاق، نہایت شائستہ، خاصے پڑھے لکھے اور ذہین شخص تھے۔ بہت سے صداقت ناموں میں ان کی رہائی مطلق کے بارے میں بھی سفارش کی گئی تھی۔

مولوی علاء الدین کی درخواست پر حکومت حیدرآباد کی جانب سے جو کارروائی کی گئی تھی اس کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جا رہا ہے:

عماد جنگ معتمد عدالت حکومت ریاست حیدرآباد نے اپنے ایک نوٹ میں مولوی صاحب کی درخواست کا خلاصہ اور ان کی استدعا بیان کرتے ہوئے لکھا کہ انھوں نے اپنی درخواست کے ساتھ جو کاغذات روانہ کیے ہیں ان سے ان کی بیماری کی تصدیق ہوتی ہے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس مدت میں ان کا رویہ نیک رہا ہے۔ اگرچہ عموماً یہ حکم جاری ہو چکا ہے کہ عمر قید کی سزا بھگتنے والے قیدی بیس سال تک چال وچلن نیک رہنے کی صورت میں رہا کر دیئے جائیں۔ مولوی علاء الدین نے تیس سال تک نیک چلنی کا ثبوت دیا ہے لیکن اس مقدمہ کا سرکار انگریزی سے تعلق ہے اگر اجازت ہو تو صاحب عالی شان کو لکھا جائے کہ اگر گورنمنٹ آف انڈیا کو ان کی رہائی میں اعتراض نہ ہو تو ان کی رہائی کا حکم صادر کیا جائے۔ معین المہام (صدر المہام) عدالت فخر الملک نے معتمد عدالت کی تجویز سے اتفاق کیا مدار المہام (صدر اعظم) آسمان جاہ نے اس نوٹ پر استفسار کیا "مولوی علاء الدین کی عمر اب کس قدر ہوگی؟" اس استفسار کے جواب میں عماد جنگ نے لکھا کہ مولوی صاحب کی درخواست میں ان کی عمر تحریر نہیں ہے لیکن بعض ڈاکٹروں کے سرٹیفکٹ سے جو ان کی عرضی کے ساتھ منسلک ہیں معلوم ہوتا ہے کہ ان کی عمر تقریباً ۷۶ برس کی ہے اور اکثر ڈاکٹروں نے لکھا ہے کہ اب وہ بہت ضعیف ہو گئے ہیں اور ان کی بصارت میں فرق آگیا ہے۔ جن کاغذات پر نشان لگائے گئے ہیں اگر وہ ملاحظہ کیے جائیں تو ثابت ہوگا کہ وہ قابلِ رحم ہیں۔ آسمان جاہ نے مولوی صاحب کی حالت پر رحم کھانے کی بجائے یہ حکم تحریر کر دیا کہ مولوی صاحب کو جواب دیا جائے کہ جس علاقے میں وہ رہتے ہیں وہاں درخواست پیش کریں اگر وہاں سے کارروائی پیش ہوگی تب بالکل لحاظ کیا جائے گا۔ مولوی صاحب کو ایک مراسلہ

مورخہ ۱۷ شوال ۱۳۰۶ھ م ۱۷ جون ۱۸۸۹ء کے ذریعہ اس حکم سے آگاہ کر دیا گیا۔ اس طرح آخری کوشش میں بھی دیرینہ ارمان حاصل کرنے میں وہ کامیاب نہ ہو سکے۔

آرکائیوز کی مثل سے بالکلیہ نئی معلومات منظر عام پر آتی ہیں ان معلومات کی روشنی میں اب یہ وثوق اور یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ مولوی علاء الدّین کا ۱۸۸۴ء میں انتقال نہیں ہوا تھا جیسا کہ چند تحقیقی کتابوں میں لکھا گیا ہے بلکہ وہ ۱۸۸۹ء تک بقیدِ حیات تھے وہ رہائی مطلق کے لیے بہت بے چین تھے اور جب ابتدائی کوشش میں ناکام رہے تو انھوں نے حکومت ریاست حیدرآباد کو ایک درخواست روانہ کی تھی جس کے ساتھ طبی صداقت نامے اور توصیفی اسنادات منسلک تھے لیکن اس بار بھی ان کی کوشش رائیگاں گئی۔ انھوں نے اپنی درخواست کے ساتھ جو منسلکات روانہ کیے تھے ان سے نہ صرف ان کی صحت کے بارے میں علم ہوتا ہے بلکہ ریپورٹ بلیر کی ان کی ۳۰ سالہ زندگی کی مصروفیات اور سرگرمیوں کا ایک خاکہ بھی سامنے آتا ہے۔

ماخذ مضمون

مثل نشان (۴۴۵) بابت ۱۲۹۸ ف متعلقہ عدالت (متفرق)

مقدمہ۔ عرضی علاء الدّین حیدر برائے رہائی خود از جزیرہ پورٹ بلیر

5.

At the request of Moulvee Allaoodeen who has been at this Settlement for about 11 years, I have pleasure in certifying his good behaviour; he maintains a very respectable bearing towards those in authority and has obtained for himself the esteem of all parties. As a proof of his former conduct, he possesses a number of favorable certificates from Officers who have served here.

(Sd.) S. L. Playfair, Captain,
Deputy Supdt., Port Blair & Nicobars.

Port Blair, 21st September, 1870.

6

Syed Allaoodeen, a political prisoner and self-supporter, has been living since my arrival in Port Blair about 1½ years ago at Aberdeen under my charge; during that time he had behaved himself as far as I am capable of judging, with great propriety; he is much respected by all classes of the natives; and has, I believe, won the confidence of all those under whose charge he has been placed. He has now been a prisoner at Port Blair for about 11 years during the whole of which time there have been no complaints against him.

Port Blair,
11th October 1870.

(Sd.) M. Protheroe, Captain,
Deputy Superintendent.

True Copy.

(Sd.) M. Protheroe, Major,
Deputy Superintendent.

October 1878.

38.

I have known Syed Moulvee-Allaoodeen for the last 10 months and I consider him a highly respected and respectable native gentleman; he came here a prisoner on account of his having engaged in the 1857-58 mutiny, but has now received a conditional pardon and keeps a shop in partnership with Jan Mahomed and I recommend any person coming here to deal with them.

(Sd.) W. Rose, Colonel,
Late Commanding Troops.
17th Regt. M. N. I. Port Blair.

27th February, 1878.

39.

I have known Moulvee Allaoodeen for the last 3 years, he has lately received a conditional pardon, seems to be much respected by the natives and is well spoken of by the Europeans at this station. The Moulvee keeps a shop at Ross, Port Blair and does everything in his power to please and satisfy his customers.

(Sd.) W. Boulderson, Captain,
15th Madras W. Infantry.

20th February 1878.

Draft Arzdasht — regarding the bad condition of the Temple of the Thousand Pillars at Hanumkonda & the Fort at Warangal

مسودہ عرضداشت

Fair copy submitted to H.E. Monday 1st October 02.
Sd/ [illegible]

میجر ہیگ نے جو مراسلہ نمبر ۲۳۰۷ مورخہ ۲۹ ستمبر ۱۹۰۲ء

سٹر ویدر ویکس کے نام ہنمکنڈہ کی ہزار ستون کی دیول اور ورنگل کے

قلعہ کی نسبت روانہ کیا ہے علاوہ اُس کی نقل مع ترجمہ

بارگاہ خداوندی میں گزرانتا ہے ۔ خانہ زاد

کو بھی اس امر سے اتفاق ہے کہ ممالک محروسہ

سرکار عالی میں جو آثار قدیمہ اور تاریخی مقامات ہیں اُن کی بطور

واقعی نگہداشت اور حفاظت کی ہے اور ایسے

قدیم اور نادرہ روزگار یادگاروں کو جن کے دیکھنے کے

لیے دور دور ملکوں سے سیاح لوگ آتے ہیں

ایسی تبدیل اور خراب حالت میں نہ رکھا جاوے ۔

انگریزی علاقہ جات میں جہاں ایسے آثار قدیمہ اور تاریخی مقامات

ہیں گورنمنٹ آف انڈیا اینشنٹ [illegible] زیر اثر محفوظ

حالت میں رکھتی ہے - اگر ہمارے

یہاں کے آثار قدیمہ اور تاریخی مقامات کی حفاظت اور

نگہداشت کے لئے بھی حکم قضا شیم نافذ ہو تو اس کے

لئے ضروری بندوبست کیا جا سکتا ہے ای ہر آئندہ جو ارشاد

زیادہ حد ادب - الٰہی آفتاب عمر و دولت و اقبال دائما تاباں

و درخشاں باد آمین

حویلی قدیم

مہاراجہ مدار المہام سرکار صاحب

آپکی رائے مورخہ ۱۴ رجب المرجب ۱۳۲۲ھ سے مجھے پورا اتفاق ہے کہ ہمارے ممالک محروسہ کے

آثار قدیمہ اور تاریخی مقامات کی بطور واقعی نگہداشت و حفاظت کرنی ضرور ہے لہذا اسکے لئے ضروری

بندوبست کیا جائے -

۱۶ رجب المرجب ۱۳۲۲ھ یکشنبہ

غارہائے اجنتا کی تصاویر کی درستگی اور حفاظت

دنیا کے ثقافتی خزانے کے لیے حیدرآباد کا لازوال تحفہ

غارہائے اجنتا کی بازیافت اور انھیں دنیا کے سامنے "دیکھنے کی چیز" کی حیثیت سے متعارف کروانا سابق ریاست حیدرآباد اور اس کے دورِ عثمانی کا ایک لازوال کارنامہ ہے۔ یہ غار زمانے کے اختلافات، وقت کے حوادث اور صدیوں سے جمی ہوئی دھول کے نیچے دب گئے اور حسن شناس نظروں سے اوجھل ہو گئے تھے۔ ان غاروں کو پھر سے عجائب روزگار میں شامل کروانا آصفِ سابع نواب میر عثمان علی خاں اور ان کی حکومت کی فراخ دلانہ سرپرستی اور قدردانی کے عملی مظاہرہ کی وجہ سے ہی ممکن ہو سکا۔

اجنتا کے غار جو اورنگ آباد سے تقریباً ۵۸ میل دور ایک دلکش پہاڑی کے دامن میں واقع ہیں دراصل بدھ مذہب کے ماننے والوں کے تراشے ہوئے ہیں۔ ان غاروں میں منقش تصاویر اور پتھر کی تراشی ہوئی مورتیوں کے وہ نادر نمونے ہیں جنھیں عجائبِ روزگار کہا جاتا ہے بدھ مذہب کے زوال کے بعد کئی صدیوں تک یہ غار سب کی نظروں سے اوجھل رہے۔ انیسویں صدی عیسوی کی ابتدا میں ان غاروں اور تصاویر کی دریافت کے بعد سے ہی حکومتِ ریاست حیدرآباد نے ان کے تحفّظ میں دل چسپی لینی شروع کر دی تھی لیکن اس سلسلہ میں اصل کام آصفِ سابع میر عثمان علی خاں کے عہد میں ہوا۔ غاروں کی اندرونی خرابیوں کو دور کرنے، انھیں صاف کرنے، ان عجائبِ روزگار تصاویر کی

مرمّت وتحفّظ اجنتا کے غاروں تک شایقین کی آمد ورفت اور وہاں پران کو قیام کی سہولتیں بہم پہنچانے کے لیے ایک محکمہ کی ضرورت تھی۔ چناں چہ آصف سابع نے جنھیں اپنی ریاست کے آثار کے تحفّظ سے بڑی دل چسپی تھی اپنی تخت نشینی کے دو سال بعد ہی سپٹمبر ۱۹۱۳ء میں آثار قدیمہ کے قیام کی منظوری عطا کی اور سن ۱۹۱۴ء میں اس محکمہ کی تنظیم جناب غلام یزدانی کے سپرد کی گئی۔ ریاست میں محکمۂ آثار قدیمہ کا قیام اور اجنتا کی مرمّت وتحفّظ کی کارروائی کا آغاز ایک ساتھ ہوا۔

اجنتا کی تصاویر کی مرمّت اور تحفّظ کے لیے بھاری معاوضہ پر دو ماہرین اٹلی سے طلب کیے گئے تھے۔ بعدازاں ان تصاویر کو دواماً محفوظ رکھنے کے لیے سہ رنگی عکسی تصاویر کی تیاری ضروری سمجھی گئی جس کے لیے ایک ماہر کو بیرونِ ملک سے بلایا گیا تھا۔ ان تصاویر کے تیار ہونے پر برسوں کی محنت اور مشقت کے بعد ایک بے مثل کتاب، اجنتا کی لاکھوں روپیوں کے صرفہ سے اشاعت عمل میں آئی تھی۔ تین جلدوں پر مشتمل یہ انگریزی کتاب آکسفورڈ یونیورسٹی سے شائع ہوئی تھی۔

غارہائے اجنتا کی تصاویر کی مرمّت اور تحفّظ کے سلسلے میں سابق ریاستِ حیدرآباد کی جانب سے اہم تدابیر اختیار کی گئی تھیں۔ آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز میں محفوظ ریکارڈ سے استفادہ کرتے ہوئے ان کی تفصیلات اس مضمون میں دی جارہی ہیں جو پہلی بار منظرِ عام پر آرہی ہیں۔

غارہائے اجنتا کی مرمّت اور اُن کی تصویروں کی حفاظت کے سلسلہ میں رزیڈنٹ نے جولائی ۱۹۱۲ء میں ایک مراسلہ حکومت ریاست حیدرآباد کو لکھا تھا جس کے ساتھ ڈائرکٹر جنرل آثار قدیمہ حکومت ہند کے مراسلہ کی نقل بھی منسلک تھی۔ اس مراسلہ کے ذریعہ رزیڈنٹ نے غارہائے مذکورہ اور ان کی تصویروں کے تحفّظ کے لیے ڈائرکٹر جنرل آثار قدیمہ کی جانب سے پیش کردہ تجاویز کی جانب خاص توجّہ دلائی تھی۔ اس مراسلہ پر ضروری کارروائی کرنے کے بعد حکومت حیدرآباد کی جانب سے رزیڈنٹ کو اطّلاع دے دی گئی۔ اس کے کچھ عرصہ بعد

رزیڈنسی سے یہ استفسار کیا گیا کہ غار ہائے اجنتا اور ان کی تصاویر کی حفاظت کے سلسلہ میں حکومت ریاست حیدرآباد کو مشورہ دینے کے لیے یورپ سے کسی ماہرِ فن کو طلب کرنے کی نسبت ڈائرکٹر جنرل آثار قدیمہ کی تجویز کے متعلق آیا کوئی فیصلہ کیا گیا ہے اس استفسار پر ابتدائی کارروائی کا آغاز ہوا ہی تھا کہ رزیڈنسی سے ایک اور مراسلہ حکومتِ ریاستِ حیدرآباد کو وصول ہوا جس میں یہ تحریر کیا گیا تھا کہ ڈائرکٹر جنرل آثارِ قدیمہ نے یہ لکھا ہے کہ ممالک محروسہ سرکار عالی میں آثارِ قدیمہ، کتبے، تصاویر نیز دوسری عجائبات کا ایک ذخیرہ موجود ہے لیکن ان کی مرمّت کرنے اور ان کی فہرست مرتّب کرنے کی کوشش نہیں کی گئی اور وہ خود یہ کام اپنا عملہ مختصر ہونے کی وجہ سے انجام نہیں دے سکتے لہٰذا ان کی یہ تحریک ہے کہ حکومت حیدرآباد اپنی ریاست میں آثارِ قدیمہ کا ایک صیغہ جس کے سالانہ خرچ کا اندازہ نو ہزار سات سو بچانوے روپیہ کیا گیا ہے قائم کرے۔

غارہائے اجنتا کی تصاویر کی حفاظت کی نسبت مشورہ کرنے کے لیے یورپ سے کسی ماہرِ فن کو طلب کرنے اور ریاست میں صیغۂ آثار قدیمہ کے قیام کے بارے میں ڈائرکٹر جنرل آثارِ قدیمہ حکومتِ ہند کی تحریک پر ریاست حیدرآباد کے معین المہام فینانس گلانسی نے رائے دی کہ ریاستِ حیدرآباد میں آثارِ قدیمہ کا صیغہ قائم کرنے کے بارے میں آثار قدیمہ حکومتِ ہند کی تجویز نہایت مناسب ہے۔ اجنتا کے غاروں کی تصاویر کے بارے میں مشورہ کرنے کے لیے ماہرِ فن کو طلب کرنے کی تجویز سے بھی معین المہام فینانس نے اتفاق کیا۔ انھوں نے مزید لکھا کہ اس بارے میں جو اخراجات ہوں گے یہ رقمیں گورنمنٹ کی جانب سے ادا کی جائیں کیوں کہ یہ چیزیں عام دل چسپی کی ہیں اور سارا عالم اس میں دل چسپی رکھتا ہے۔

مدار المہام سالار جنگ سوم نے ایک عرضداشت مورخہ ۲۸ رشوال ۱۳۳۱ھ م ۳۰ر ستمبر ۱۹۱۳ء آصفِ سابع کی خدمت میں پیش کی جس میں اس کارروائی کی تفصیلات اور معین المہام فینانس کی رائے درج کرتے ہوئے انھوں نے لکھا کہ معین المہام فینانس کی رائے سے انھیں پورا اتفاق ہے۔ آصفِ سابع نے اس عرضداشت کی سفارشات کو منظور

کیا اور حسبِ ذیل فرمان جاری ہوا۔

"تمھاری و معین المہام فینانس کی رائے معروضہ کے مطابق ممالک محروسہ میں آثارِ قدیمہ کا صیغہ بالفعل تین سال کے لیے قائم کیا جائے جس کے سالانہ خرچ کا اندازہ نو ہزار سات سو پچانوے روپیہ بتایا گیا ہے اور غار ہائے اجنتا کی تصاویر کی حفاظت کا خرچ منجانب سرکار ادا کیا جائے اور اس بارے میں مشورہ لینے کے واسطے کوئی ماہرِ فن طلب کیا جائے۔"

اس فرمان کے صادر ہونے کے بعد حکومتِ ریاستِ حیدرآباد نے ۵ راکتوبر ۱۹۱۳ء کو بتوسط رزیڈنسی سر جان مارشل، ڈائرکٹر جنرل آثارِ قدیمہ حکومتِ ہند کو اس امر کی اجازت دی کہ اجنتا کی تصاویر کی درستگی و حفاظت کی غرض سے وہ کسی ماہر کا انتخاب کریں۔ چناں چہ جب سر جان مارشل رخصت پر ولایت گئے تو انھوں نے یورپ کے ماہرین کے مشوروں اور برطانوی سفیر متعینہ اٹلی کے تعاون سے ایک اطالوی ماہر پروفیسر سیچونی کا انتخاب کیا جو تصاویر کی درستگی میں مہارت رکھتے تھے۔ پروفیسر سیچونی حسبِ ذیل شرائط پر اجنتا آنے کے لیے تیار تھے۔

(۱) آٹھ ماہ کی تنخواہ (بشمول دو ماہ برائے آمد و رفت) تین ہزار دو سو پونڈ۔

(۲) کرایہ آمد و رفت اور آٹھ ماہ کے دوران کے اخراجات خوراک علاحدہ ادا کرنے ہوں گے۔

(۳) تنخواہ کی رقم آٹھ اقساط میں ادا کرنی ہوگی۔

(۴) ان کے ہمراہ ان کا ایک شاگرد بھی ان کی مدد کے لیے آئے گا جس کے لیے جہاز کا کرایہ اور کھانے کے اخراجات علاحدہ ادا کرنے ہوں گے۔

جب حکومتِ ریاستِ حیدرآباد کو اس بارے میں اطلاع دی گئی تو صدر اعظم نے مذکورہ بالا تفصیلات ایک عرضداشت مورخہ ۱۴ ستمبر ۱۹۲۰ء میں درج کرتے ہوئے لکھا کہ اجنتا کی تصاویر کی خوبیاں اور تحفظ و اصلاح کی ضرورت محتاجِ بیان نہیں۔ یہ بیش بہا تصاویر ایشیا، بلکہ دنیا کے فنِ نقاشی میں ایک بے مثل رتبہ رکھتی ہیں صدر اعظم نے لکھا کہ صدرالمہام فینانس کو اجنتا کی تصاویر کی مرمت اور حفاظت کے سلسلے میں اطالوی ماہرِ فن کو حیدرآباد بلانے کی تجویز سے اتفاق ہے اور وہ خود بھی اس تجویز سے اتفاق رکھتے ہیں۔

عرضداشت میں پیش کردہ سفارش کو آصفِ سابع نے منظور کیا اور اس بارے میں جو فرمان مورخہ ۳ر اکتوبر ۱۹۲۰ء صادر ہوا تھا اس کا متن درجِ ذیل ہے :

صدر اعظم وصدر المہام فینانس کی رائے مناسب ہے۔ حسبہٗ تصاویر مذکور کی درستگی وتحفظ کے متعلق تجاویز پیش کرنے کے لیے اٹلی کے ماہرِ فن پروفیسر سیچونی بشرو ط محولہ عرضداشت ۸ ماہ کے لیے طلب کیے جائیں۔"

مذکورہ بالا فرمان کی تعمیل میں اطالوی ماہرین پروفیسر سیچونی اوران کے شاگرد طلب کیے گئے جنھوں نے اجنتا کی تصاویر کی درستگی وحفاظت کے لیے کام انجام دیا۔ پروفیسر سیچونی کو ابتدا میں دسمبر ۱۹۲۱ء اور جنوری ۱۹۲۲ء کا معاوضہ اور اجنتا آنے کے اخراجاتِ سفر ادا کیے گئے اور اس کے بعد فروری تا مئی ۱۹۲۲ء کا معاوضہ سولہ سو پونڈ بشرح چار سو پونڈ ماہانہ اور واپسی کے کرایۂ جہاز کے دو سو پونڈ اس طرح جملہ اٹھارہ سو پونڈ ادا کیے گئے۔ چوں کہ یہ ماہرین اٹلی سے آئے تھے اور کام کی انجام دہی کے بعد انھیں فوراً وطن لوٹنا تھا اس لیے بہ توقع منظوری انھیں یہ رقم ادا کردی گئی۔ بعدازاں رقم کی منظوری کے سلسلے میں فریدوں الملک نائب صدر اعظم نے ایک عرضداشت آصفِ سابع کی خدمت میں پیش کی جس پر بذریعہ فرمان مورخہ ۲۱ر ستمبر ۱۹۲۲ء اٹھارہ سو پونڈ کی منظوری دی گئی۔

غارہائے اجنتا کی تصاویر کی مرمّت اور تحفّظ کے بعد ناظم آثارِ قدیمہ نے تجویز پیش کی کہ ان کی سہ رنگی عکسی تصاویر حکومت کی جانب سے تیار کرائی جائیں کیوں کہ اجنتا کی تصاویر کو ہندوستان اور یورپ کے جن ماہرین نے دیکھا تھا ان کی رائے تھی کہ یہ تصاویر کمالِ فن کے لحاظ سے دنیا میں عدیم المثال ہیں چوں کہ یہ تصاویر بہت پرانی ہیں اس لیے تحفّظ کے باوجود ان میں کہنگی اور خرابی پیدا ہوئی ہے اور ایک دن یہ ضائع ہو جائیں گی۔ ان نایاب تصاویر کی یادگار قائم رکھنے کی صرف ایک تدبیر ہو سکتی ہے اور وہ ہے ان کی سہ رنگی تصاویر۔ چناں چہ اس سلسلہ میں جان مارشل سے مشورہ کیا گیا اور رنگین فوٹو گرافی کے کسی ماہر سے بااجرت یہ کام لینے کی تجویز ہوئی۔ اس کام کے لیے اے ایل واسے ماہرِ رنگین فوٹو گرافی کو بیرونِ ہند سے

طلب کیا گیا جس نے چار ماہ کے قیام کی مدت میں اجنتا کی تقریباً تمام تصاویر کے عکس تیار کیے جن کی تعداد تقریباً ایک سو تھی۔ اس سلسلے میں باب حکومت کی سفارش پر آصف سابع نے بذریعہ فرمان مورخہ ۳ ؍ اکتوبر ۱۹۲۶ء اس کام کے اخراجات کی منظوری دی۔

ان رنگین تصاویر کے تیار ہو جانے کے بعد ناظم آثار قدیمہ نے ان تصاویر کو ایک کتاب کی شکل میں شائع کرنے کی تجویز پیش کی۔ انھوں نے اپنی تجویز میں لکھا کہ ان تصاویر کی اشاعت سے حکومت ریاست حیدرآباد کی علمی سرپرستی کے اظہار کے علاوہ سراسر مالی فائدہ ہے۔ اس لیے اس کام میں تاخیر کرنا مناسب نہیں ہے۔ معتمد آثار قدیمہ نے اس تجویز کی سفارش کرتے ہوئے لکھا کہ ماہرینِ فن کی یہ رائے ہے کہ ان تصاویر کی اشاعت سے اس عہد کی علمی سرپرستی کی ایک زبردست یادگار قائم ہو جائے گی اور آنے والی نسلیں آصفِ سابع کی ممنونِ احسان رہیں گی۔ صدرالمہام فینانس نے اس تجویز کے بارے میں تحریر کیا کہ غلام یزدانی ناظم آثار قدیمہ کی اس توقع کے پورا ہونے میں انھیں کوئی شبہ نہیں ہے کہ ان تصاویر کی خاطر خواہ فروخت رقم صرف شدہ کی وصولی کا باعث ہوگی۔ انھوں نے سفارش کی کہ پہلی جلد کے لیے دو ہزار پونڈ اور ہر جلد کے لیے ایک ہزار پونڈ بصورت پیشگی ادا کیے جائیں۔ مہاراجہ سرکشن پرشاد صدر اعظم نے عرضداشت مورخہ یکم اکتوبر سن ۱۹۲۷ء میں ناظم آثار قدیمہ کی تجویز اور اس پر معتمد آثار قدیمہ اور صدرالمہام فینانس کی آرا تفصیلی طور پر درج کرتے ہوئے لکھا کہ انھیں صدرالمہام فینانس کی رائے سے اتفاق کیا ہے۔ آصفِ سابع نے صدرالمہام فینانس اور صدر اعظم کی رائے سے اتفاق کیا۔ اس سلسلہ میں ان کا جو فرمان مورخہ ۹ ؍ اکتوبر ۱۹۲۷ء صادر ہوا تھا اس کا متن درجِ ذیل ہے:

"صدر اعظم کی رائے مناسب ہے حسبہ پہلی جلد کے لیے پیشگی دو ہزار پونڈ اور ہر جلد مابعد کے لیے ایک ہزار پونڈ اس شرط سے ایصال کیے جائیں کہ یہ رقم ہر جلد کی اشاعت کے تین سال کے اندر وصول ہونی چاہیے۔"

مذکورہ بالا فرمان کی تعمیل میں فوراً محکمہ فینانس سے احکام کی اجرائی عمل میں آئی۔ کتاب "اجنتا" کی اشاعت کے سلسلہ میں ملک اور بیرون ملک کے ماہرینِ فن اور ممتاز شخصیتوں کی جانب سے بے حد اشتیاق کا اظہار کیا جا رہا تھا اور بعض حضرات نے کتاب کے لیے

پیشگی آرڈر روانہ کیے تھے۔ اس کتاب کی جلد اوّل ۱۹۳۱ء میں شائع ہوئی اور اس کے نسخے جارج ششم شاہ انگلستان امیزے میکڈانلڈ وزیراعظم برطانیہ اور لارڈ اروِن وائسرائے ہند کو بھی بھیجے گئے۔

پہلی جلد کے شائع ہونے کے تقریباً دو سال بعد دوسری جلد کی اشاعت کے بارے میں ناظم آثارِ قدیمہ کی درخواست اور تجاویز پر جو عرضداشت مورخہ ۲۴/مئی ۱۹۳۴ء مہاراجہ سرکشن پرشاد نے آصفِ سابع کے ملاحظہ اور احکام کے لیے پیش کی تھی اس پر آصفِ سابع نے بذریعہ فرمان مورخہ ۳/ستمبر ۱۹۳۴ء دوسری جلد کی اشاعت کے لیے مزید انچالیس ہزار چھ سو انیس روپے کلدار منظوری دی۔ دوسری جلد شائع ہونے کے بعد مزید دو جلدوں کی اشاعت کے لیے بذریعہ فرمان مورخہ ۲۷/جون ۱۹۳۷ء ایک ہزار پانچ سو پونڈ پیشگی فی جلد آثارِ قدیمہ کو ایصال کرنے کے احکام جاری ہوئے۔ ابتدا میں تیسری جلد کے لیے جو رقم منظور کی گئی تھی وہ اس کی اشاعت کے لیے ناکافی ہوئی اور جب مزید رقمی منظوری کے لیے عرضداشت آصفِ سابع کی خدمت میں روانہ کی گئی تو بذریعہ فرمان مورخہ ۲۲/اپریل ۱۹۴۳ء تیسری جلد کی طباعت کے لیے مزید پندرہ سو پونڈ کی منظوری عطا کی گئی۔

اس طرح حکومتِ ریاست حیدرآباد کی جانب سے انگریزی کتاب "اجنتا" کی تین جلدیں شائع کی گئیں۔ جس کی ہر جلد دو علاحدہ کتابوں پر مشتمل ہے۔ ایک میں اجنتا کی تصاویر اور دوسری کتاب میں غلام یزدانی کے وضاحتی نوٹس شامل ہیں۔ جو بلند پایہ علمی تحقیق کا درجہ رکھتے ہیں۔ کتاب اجنتا کے شائع ہونے پر ملک اور بیرونِ ملک کے ممتاز علمی و فنی جرائد اور صفِ اوّل کے اخبارات نے اعلیٰ درجے کے تبصرے شائع کیے تھے۔ جن میں آصفِ سابع کی فراخ دلانہ سرپرستی، سر اکبر حیدری کی دل چسپی اور دوراندیشی اور غلام یزدانی کے علمی کام کو بے حد سراہا گیا تھا۔

کتنی حیرت کی بات ہے کہ آج بھی کچھ لوگ آصفِ سابع اور ان کی حکومت کو تعصب کی عینک سے دیکھتے ہیں اور آصفِ سابع کی شخصیت اور کردار کی حقیقی تصویر کو مسخ کرکے پیش کرتے

ہیں۔ غارہائے اجنتا کو دنیائے تہذیب و فن سے روشناس کروانے والا تنہا ایک کارنامہ ہی ان لوگوں کو جھٹلانے کے لیے کافی ہے۔ آگر آصف سابع بنیاد پرست ہوتے اور اگر مذہبی اعتبار سے ان میں کٹر پن ہوتا تو وہ رنگوں اور تصویروں کے ان نادر نمونوں کی طرف سے آنکھیں پھیر لیتے لیکن دکن کے اس حکمران اور اس کی حکومت نے نہ صرف یہ کہ ان غاروں اور ان میں خوابیدہ مصوّری اور حسن کاری پر سے تہہ در تہہ جمی ہوئی صدیوں کی دھول ہٹائی بلکہ اپنے وقت کے بہترین صناعوں اور ماہرین کی خدمات سے استفادہ کر کے نقّاشی کے ان نادر نمونوں کو نئی زندگی عطا کی یہی نہیں بلکہ انھیں حسن و فن کے شیدائیوں کی زیارت گاہ میں تبدیل کیا۔

ماخذ

1. Instalment No.79, List No.1, Serial No.900

مقدّمہ۔ ترمیم و حفاظت غارہائے اجنتا

2. Instalment No.78, List No.5, Serial No.236

مقدّمہ۔ اجنتا کے عجائبِ روزگار تصاویر کی حفاظت اور درستی کے متعلق۔



[illegible]

مدار المہام سالار جنگ بہادر

ہماری و معین المہام فینانس کی رائے سے موجودہ امور کے مطابق ہمالک محروسہ میں آثار قدیمہ کا محکمہ بالفعل تین سال کے لئے قائم کیا گیا تھا جس کے سالانہ خرچ کا اندازہ نو ہزار سات سو کچھ روپیہ لگایا گیا ہے اور عمارات قدیمہ واقعہ ملک کے تعمیر کی حفاظت کا خرچ علاحدہ سرکار ادا کیا کرتی ہے اور اس بارہ میں مشورہ لینے کے واسطے کوئی ماہر فن طلب کیا گیا ہے۔

۲۸ شوال المکرم ۱۳۳۱ ہجری ۔ دو شنبہ

۱۹

کنگ کوٹھی



فرمان

ملاحظہ :- عرضداشت صدر اعظم معروضہ یکم محرم الحرام ۱۳۳۹ھ جو اجنٹہ کے تصاویر کی حفاظت و درستی کی نسبت ہے۔

حکم :- صدر اعظم و صدر المہام فینانس کی رائے مناسب ہے حسبہ تصاویر مذکور کی درستی و تحفظ کے متعلق تجاویز پیش کرنے کے لئے اٹلی کے ماہر فن پروفیسر سیچونی بشروط محولہ عرضداشت (۸) و ۹ کے لئے طلب کئے جائیں۔

۲ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ یکشنبہ



کنگ کوٹھی

فرمان

بملاحظۂ :- عرضداشت صیغۂ آثار قدیمہ معروضہ ۲۰ محرم الحرام ۱۳۴۱ھ جو اطالوی پروفیسر میکونی کے اخراجات کی نسبت ہے جو میرے حکم سے اجنٹہ کے تصاویر کی درستی وغیرہ کے لئے طلب کئے گئے تھے۔

حکم :- پروفیسر مذکور کی فیس اور کرایۂ جہاز کے بابت صدر اعظم کی رائے کے مطابق اٹھارہ سو (۱۸۰۰) پونڈ منظور کئے جائیں۔

۲۸ محرم الحرام ۱۳۴۱ھ - پنجشنبہ



فرمان

بملاحظہ :- عرضداشت صیغۂ عدالت و امور عامہ محررہ ۲ محرم الحرام ۱۳۶۲ھ جو اجنتہ کی تیسری جلد کے طباعت کی نسبت ہے ۔

حکم :- کونسل کی رائے کے مطابق اس جلد کی طباعت کے لئے مزید پندرہ سو پونڈ بطور معاوضہ سررشتہ آثار قدیمہ کو دئے جائیں ۔

۱۶ ربیع الثانی شریف ۱۳۶۲ھ

سعید

16.4.62.

۱۸/۴/۶۲

مہابھارت کی اشاعت کے لیے حیدرآباد کی امداد

آصف جاہی خاندان کے آخری حکمران نواب میر عثمان علی خاں کے دور کی علمی و ادبی سرپرستی اور مذہبی رواداری مشہور رہے۔ علوم و فنون کی قدر دانی میں اس دور کی حکومت اور حکمران نے بڑی فیاضی کا مظاہرہ کیا۔ اس کے بارے میں یہ غلط فہمی دل و دماغ سے نکال دی جانی چاہیے کہ ان خصوصیات کا تذکرہ روایتی تعریف و تحسین کے انداز میں کیا جاتا ہے یا ان باتوں کے اظہار میں مروت یا کوئی جذباتی وابستگی غالب رہتی ہے۔ اس دور کی یہ رواداری، فراخ دلی اور وسیع النظری، تاریخ کے صفحات کی انمٹ تحریروں میں تبدیل ہو چکی ہے۔ اسٹیٹ آرکائیوز کے ناقابلِ تردید اور شک و شبہ کی کسی بھی گنجائش سے بالاتر ریکارڈ سے ان حقائق کا ثبوت ملتا ہے۔ صرف یہی ظاہر نہیں ہوتا کہ علوم و فنون کی سرپرستی اور قدردانی میں کوئی امتیاز نہیں برتا جاتا تھا بلکہ اس سلسلہ میں اندازِ فکر صحت مند اور طرزِ عمل نہایت مہذبانہ اور لب و لہجہ شائستہ ہوا کرتا تھا۔ ریاست ہی کے نہیں بیرونِ ریاست کے افراد اور ادارہ جات کی امداد میں جن میں تحقیقی ادارے بھی شامل تھے اور جامعات بھی شامل تھیں جس طرح آصفِ سابع نے فیاضی دکھائی اس کی تفصیلات بیان کرنے کے لیے کتنے ہی مضامین لکھے جا سکتے ہیں۔ زیرِ نظر مضمون میں صرف سابق ریاست بمبئی کے شہر پونا کے ایک تحقیقی ادارہ اور ہندوستان کے اکثریتی فرقہ کی دو سب سے

بڑی اور مقبول ترین کتابوں رامائن اور مہا بھارت میں سے ایک کتاب مہا بھارت کے لیے امداد کی کارروائی کا احاطہ کیا گیا ہے۔

پونا بھنڈارکر اورینٹل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ سنسکرت زبان وادب اور قدیم ہندوستانی ثقافت کے تحقیقی کاموں کے لیے مختص رہا ہے اس انسٹی ٹیوٹ نے مہا بھارت کی اشاعت اور انسٹی ٹیوٹ میں طلبہ کے قیام کے لیے ایک گیسٹ ہاؤس کی تعمیر کے لیے مالی امداد جاری کرنے کی درخواست کی تھی جس پر آصف سابع نے مہابھارت کی اشاعت کے لیے سالانہ ایک ہزار روپیہ دس سال کی مدت کے لیے اور گیسٹ ہاؤس کی تعمیر کیلیے پچیس[۲۵] ہزار روپیہ کی امداد کیلیے فرمان صادر کیا گیسٹ ہاؤس کی تعمیر نامکمل رہنے پر تعمیر کو مکمل کرنے اور اس کے فرنیچر کے لیے مزید مالی امداد کی درخواست کی گئی۔ جسے آصف سابع نے منظوری دے دی۔ مہابھارت کی امداد کے دس سال کی مدت ختم ہونے پر اس کے لیے بھی مزید امداد جاری رکھنے کے لیے درخواست روانہ کی گئی۔ آصف سابع نے اس درخواست پر بھی مزید ایک سال کے لیے امداد کی منظوری عطا کی۔ آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز کے ذخائر میں محفوظ ریکارڈ سے استفادہ کرتے ہوئے اس کارروائی کی تفصیلات ذیل میں درج کی جارہی ہیں۔

پونا کے بھنڈارکر اورینٹل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کی جانب سے اس کے سکریٹری نے حکومت ریاست حیدرآباد سے سالانہ امداد کے حصول کے لیے ایک درخواست روانہ کی تھی۔ اس درخواست پر ابھی کارروائی جاری تھی کہ اسی سلسلہ میں انسٹی ٹیوٹ کی جانب سے ایک اور درخواست بھیجی گئی کہ وسط اگست ۱۹۲۲ء میں وائسرائے اور کاؤنٹس آف ولنگڈن اس ادارہ کے ملاحظہ کے لیے آنے والے ہیں اس موقع پر دیگر امور کے علاوہ جدید سرپرستوں کا انتخاب اور عطیات کا اعلان کیا جائے گا۔ اس لیے اس انسٹی ٹیوٹ کے مختلف کاموں کے لیے ریاست حیدرآباد کی جانب سے سالانہ امداد منظور کی جائے۔

ان درخواستوں پر ناظم تعلیمات نے اس رائے کا اظہار کیا کہ اگر آصف سابع مناسب خیال فرمائیں تو ریاست حیدرآباد کی جانب سے اسی طرح کوئی مناسب امداد منظور کی جاسکتی ہے

PORT BLAIR, ANDAMAN ISLANDS,

1st June 1886.

I have known Moulvi Syed Allaoodeen for the last two years. He is now 64 years of age and has been a prisoner in this Settlement since 1860. It appears to me that his health has latterly began to fail. Chronic Rheumatism has settled in his knees, ankles, and back, rendering him lame and bowing down his once powerful frame. His sight is growing dim, the arcus senilis showing itself plainly in both of his eyes, obesity has come upon him with advanced age hampering his movements and interfering with the functional action of his heart and lungs. His weight is 196 lbs. and his height 5 feet 5½ inches. He suffers from double inguinal hernia and is obliged constantly to wear a double truss. His right arm has long been crippled by a gunshot wound in the elbow and a deep sword cut over the shoulder: the cicatrices of these old wounds have latterly caused him much pain and suffering. He has long been most anxious to visit India and I think the change to some station in Hindustan would improve his health and in all-probality lengthen his life.

(Sd.) W. NAPIER KEEFER, SURGEON MAJOR,

Senior Medical Officer,

Port Blair and Nicobars.

داغ اور حیدرآباد

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے بعد جب دلّی اجڑ گئی تو دلی دربار سے وابستہ اساتذۂ شعروادب کو مختلف ریاستوں کی راج دھانیوں کا رخ کرنا پڑا تھا۔ دلّی کے آخری یادگار لال قلعہ کے مشاعرہ میں افقِ شعروادب پر طلوع ہونے والے شاعر داغ کو تو پہلے رام پور میں پناہ ملی لیکن رام پور میں بھی جب حالات بگڑے تو ارضِ دکن کی کشش انھیں حیدرآباد لے آئی اس طرح ذوقؔ، مومنؔ اور غالبؔ کے بعد افقِ شعروادب پر ابھرنے والا یہ روشن ستارہ حیدرآباد میں اپنی تابانیاں بکھیرنے لگا۔ داغ کے رام پور سے حیدرآباد منتقل ہونے کا پس منظر یہ ہے کہ نواب کلب علی خان والی رام پور کے دربار سے علم وادب کی کئی اہم اور ممتاز شخصیتیں وابستہ تھیں۔ داغ حیدرآباد آنے سے قبل اسی دربار سے وابستہ تھے لیکن ۲۲ر مارچ ۱۸۸۷ء کو نواب کلب علی خاں والی رام پور کے انتقال کے بعد رام پور میں علمی وادبی محفلوں کا شیرازہ بکھر گیا۔ والی رام پور کی بجائے ایک کونسل کا تقرر عمل میں آیا لیکن داغ کے لیے یہ کونسل کسی طرح بھی اپنے سرپرست اور قدرداں نواب کلب علی خاں کی بدل ثابت نہیں ہوسکی۔ چناں چہ مایوس ہو کر انھوں نے رام پور کی ملازمت چھوڑ دی اور وہ ۲۸ر دسمبر ۱۸۸۷ء کو اپنے وطن دہلی واپس ہو گئے۔ رام پور کی ملازمت چھوڑنے کے بعد داغ کو نئے روزگا

یا متبادل ذریعہ آمدنی کی تلاش تھی۔ اب انھیں کسی نئے دربار کی سرپرستی اور قدردانی کی ضرورت تھی۔ ان دنوں حیدرآباد میں آصفِ سادس نواب میر محبوب علی خاں حکمران تھے جو شمالی ہند میں بھی سخن شناس، علم پرور اور ادب نواز حکمراں کی حیثیت سے مشہور ہو چکے تھے۔ ان ہی دنوں حیدرآباد سے چند اصحاب نے جنھیں داغ کے معاشی تفکرات کا اندازہ تھا انھیں یہ مشورہ لکھ بھیجا تھا کہ وہ حیدرآباد آکر اپنی قسمت آزمائیں۔ چناں چہ داغ ۹ ؍اپریل ۱۸۸۸ء م غرۃ خورداد ۱۲۹۷ف کو حیدرآباد پہنچے۔ حیدرآباد میں یہ ان کا پہلا ورود تھا۔ یہاں وہ کئی مشاعروں میں شریک ہوئے۔ یوں تو وہ حیدرآباد کے ادبی حلقوں اور عوام میں پہلے ہی خاصی مقبولیت حاصل کر چکے تھے لیکن ان مشاعروں میں اپنا کلام سنا کر انھوں نے اپنا لوہا منوالیا۔ علاوہ ازیں اس عرصہ میں حیدرآباد کے امرا اور عہدیداروں سے ان کے روابط اور مراسم بھی قائم ہو گئے تھے اس کے باوجود داغ حیدرآباد میں مختصر عرصہ تک ہی قیام کر سکے۔ کیوں کہ کوئی مستقل ذریعہ آمدنی فراہم نہیں ہوا تھا اور ان کے لیے آصف سادس کی جانب سے کوئی تنخواہ مقرر نہیں کی گئی تھی چناں چہ اس صورت حال اور نئے مقام پر اپنے اخراجات سے گھبرا کر داغ وطن واپس ہو گئے۔ حیدرآباد پہلی بار آنے کے بعد وہ سوا سال ہی یہاں قیام کر سکے تھے۔ حیدرآباد سے واپس ہونے کے دس ماہ بعد داغ دوبارہ حیدرآباد آئے اور اس بار حالات کچھ اس طرح سازگار بنتے گئے کہ انھوں نے یہاں مستقل سکونت اختیار کر لی حالاں کہ انھیں استادِ شہ بننے کے لیے تقریباً تین سال انتظار کرنا پڑا آصفِ سادس کے کلام پر اصلاح دینے اور ان کے استاد مقرر ہونے کا جو شرف حاصل ہوا تھا اس کے بعد تقریباً چودہ سال تک وہ آصفِ سادس کے کلام پر اصلاح دیتے رہے۔ آصفِ سادس اپنے استاد پر بہت مہربان تھے اور ان کا بڑا پاس و لحاظ کرتے تھے انھوں نے اپنے استاد کو کئی اعزازات اور عنایات سے نوازا اور ان کی بڑی قدر و منزلت کی دربار میں صرف امرائے عظام اور چوٹی کے عہدیداروں کو آصفِ سادس کے قریب بیٹھنے کی اجازت تھی داغ ان میں شامل تھے۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ دلی کے داغ کو حیدرآباد[۳] کتنا بلند مقام اور مرتبہ حاصل ہو چکا تھا وہ ایک طرح سے خود اپنے استاد ذوق سے بھی زیادہ

خوش نصیب تھے کیوں کہ ذوق کا تعلق اُردو ادب اور شاعری کے سنہرے دور سے سہی لیکن جس شاہ کے وہ استاد تھے اس کی سلطنت کے حدود شاید پالم تک ہی محدود ہو کر رہ گئے تھے جب کہ حیدرآباد کی آصف جاہی سلطنت ملک کی سب سے بڑی دیسی ریاست تھی۔ آصف سادس نہ صرف یہ کہ شکار کے موقعوں پر داغ کو اپنے ساتھ رکھتے تھے بلکہ داغ کو سرکاری دوروں پر بھی ان کے ہمراہ رہنے کا اعزاز حاصل تھا۔ دسمبر ۱۸۹۹ء میں آصف سادس جب کلکتہ گئے تھے اور جنوری ۱۹۰۳ء میں جب وہ ایڈورڈ ششم کی تاج پوشی کے سلسلے میں منعقد ہونے والے دربار میں شرکت کے لیے دہلی گئے تھے داغ آصفِ سادس کے ہمراہیوں میں شامل تھے۔ آصف سادس نے انھیں خطابات سے بھی سرفراز کیا تھا۔ اس طرح حیدرآباد میں داغ کی بھرپور قدردانی ہوئی۔ ساتھ ہی ساتھ مقبولیت اور دولت کی نعمتوں سے بھی وہ بہرہ ور ہوئے۔ اسی لیے انھوں نے کہا تھا۔

شاہ مرا قدرداں، احباب مرے مہرباں
میں دکن میں جب سے ہوں اے داغ اک جنت میں ہوں

غرض یہ کہ ارضِ دکن میں اطمینان اور آسودگی کے تقریباً سترہ سال گزارنے کے بعد داغ یہیں پیوندِ خاک ہوئے اور ان کا مزار درگاہ یوسفین میں ہے۔

داغ کے شاگرد احسن مارہروی نے اپنی کتاب "مقدمہ منتخب داغ" میں اور غلام صمدانی گوہر نے "تزک محبوبیہ" میں لکھا ہے کہ ابتداً داغ کی تنخواہ ماہانہ ساڑھے چار سو روپیہ حالی مقرر ہوئی تھی۔ ریاستِ حیدرآباد سے داغ کو ابتدا میں جو تنخواہ مقرر ہوئی تھی آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز کے ریکارڈ سے ان کتابوں کے بیانات کی توثیق ہوتی ہے لیکن ان کتابوں میں اس بارے میں تفصیلات نہیں ملتیں جو اس مضمون میں پہلی بار مستند کرہ ریکارڈ کی چھان بین کے بعد دی جا رہی ہیں۔ ان تفصیلات سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ساری کارروائی کس طرح انجام پائی۔

داغ کو حیدرآباد آئے ہوئے تقریباً ساڑھے تین سال کا عرصہ ہو رہا تھا اور وہ اُستادِ شہ

مقرر ہو چکے تھے (آصف سادس کے کلام پر اصلاح دینے کا سلسلہ ۲۶ / جمادی الثانی ۱۳۰۸ھ سے شروع ہوا) لیکن تنخواہ مقرر نہ کیے جانے کی وجہ سے وہ مالی طور پر بہت پریشان تھے۔ غالباً عبوری مدد دینے کے لیے انھوں نے تحریری یا زبانی درخواست روانہ کی تھی یا ان کے کسی خیر خواہ نے داغ کو مدد جاری کرنے کی سفارش کی تھی۔ چناں چہ مدارالمہام آسمان جاہ نے حسبِ ذیل ہدایت مورخہ ۲ / صفر ۱۳۰۹ھ م ۷ / ستمبر ۱۸۹۱ء محکمہ پولٹیکل و فینانس کو ضروری کارروائی کے لیے روانہ کی۔

"داغ صاحب کو پانچ سو روپے پہلے نرسنگ راؤ جیو کے پاس سے پہنچائے گئے ہیں وہ رائے صاحب کے پاس بھیج دیے جائیں اور ایک ہزار روپیے حالی بطورِ مدد خرچ کے داغ صاحب کے پاس بھیج دیے جائیں۔ ان کی تنخواہ کا تصفیہ بھی متعاقب ہوتا ہے۔"

مدارالمہام آسمان جاہ کی مذکورہ بالا ہدایت سے اس بات کی اطلاع ملتی ہے کہ عنقریب آصف جاہ سادس کی جانب سے داغ کی تنخواہ کے بارے میں احکام جاری ہونے والے ہیں۔

مدارالمہام آسمان جاہ کی تحریری ہدایت وصول ہونے پر ایک مراسلہ نشان نمبر ۱۹۰۱ مورخہ ۳۰ / مہر ۱۳۰۰ ف م ۸ / ستمبر ۱۸۹۱ء محسن الملک بہادر، معتمد محکمہ پولٹیکل کی جانب سے محمد منور خاں منصرم صدر محاسب کے نام جاری کیا گیا جس میں تحریر کیا گیا کہ حسب الحکم ایک اجازت نامہ مبلغ پانچ سو روپیہ بخدمت رائے نرسنگ راؤ صاحب اور ایک اجازت نامہ مبلغ ایک ہزار روپیہ بخدمت داغ صاحب بھجوایا جائے۔ معتمد پولٹیکل و فینانس کی ہدایت کے مطابق منصرم صدر محاسب نے اپنے مراسلہ کے ذریعہ منصرم مہتمم خزانہ عامرہ کو اطلاع دی کہ ایک اجازت نامہ رقمی ایک ہزار پانچ سو روپے بنام رائے نرسنگ راؤ صاحب اور داغ صاحب جاری ہوا ہے جسے روانہ کیا جا رہا ہے۔ اس سلسلے میں ضروری کارروائی کرنے کے بعد معتمد پولٹیکل و فینانس کو اطلاع دینے کی ہدایت کی گئی۔ کارروائی تکمیل پانے پر منصرم مہتمم خزانہ نے اندرون ایک ہفتہ معتمد پولٹیکل و فینانس کو اطلاع روانہ کر دی۔

تنخواہ کے مقرر کیے جانے اور اس کی اجرا کے سلسلہ میں غالباً داغ سے حیدرآباد میں آمد کی

تاریخ اور قیام کی مدت کی تفصیلات دریافت کی گئی تھیں۔ چناں چہ داغ نے ایک سطری عریضہ مورخہ ۳۰/آبان ۱۳۰۰ف م ۸/اکٹوبر ۱۸۹۱ء کے ساتھ حیدرآباد میں اپنی آمد اور قیام کے سلسلے میں مفصل تاریخوں پر مبنی ایک جدول پیش کیا جس میں انھوں نے حیدرآباد میں آمد کی تاریخ غرّہ خورداد ۱۲۹۷ف م ۷/اپریل ۱۸۸۸ء اور عریضہ پیش کرنے کی تاریخ تک حیدرآباد میں اپنے قیام کی مدت ۳ سال ۶ ماہ لکھی۔

داغ کی درخواست پر مدارالمہام (یہ عہدہ بعد میں صدر اعظم کہلایا) آسمان جاہ نے ۱۶/ربیع الاول ۱۳۰۹م ۲۰/اکٹوبر ۱۸۹۱ء کو حسب ذیل احکام تحریر کیے۔

"داغ صاحب کی تنخواہ اس فرد کے مطابق ساڑھے چار سو روپے حالی کے حساب سے جاری کی جاوے۔ قیام دہلی چوں کہ حضرت پیر و مرشد (آصف سادس) کی اجازت سے ہوا لہذا اس کی بابت کچھ وضعات نہ ہوگی۔ آئندہ بھی یہ تنخواہ جاری رہے گی اور پندرہ سو روپے جو پیشگی پہنچے ہیں وہ مجرا کر لیے جائیں۔ اور نام ان کا حسب ذیل ہو جاوے گا۔

نواب مرزا خاں خطاب شاہی ہے۔ داغ تخلص۔ نواب مرزا خاں داغ چوں کہ حضرت (آصف سادس) کا ارشاد ہوا ہے بذریعہ عرضداشت بعد تعمیل ہونے کے اطلاع کر دی جاوے۔"

آسمان جاہ کے جاری کردہ احکام کی بنیاد پر معتمد پولٹیکل و فینانس کی جانب سے حسب ذیل مراسلہ مورخہ ۲۴/اکتوبر ۱۸۹۱ء منصرم صدر محاسب کے نام جاری کیا گیا۔

"سرکار نے یہ منظور کیا ہے کہ داغ صاحب کی تنخواہ یکم خورداد ۱۲۹۷ف سے چار سو پچاس روپے حالی کے حساب سے جاری کی جاوے اور پندرہ سو روپیہ جو پیشگی پہنچے ہیں مجرا کر لیے جاویں۔ پس حسبہ تعمیل ہو اور ابتدا خورداد ۱۲۹۷ سے آبان ۱۳۰۰ف تین سال چھ ماہ کا بقایا ادا کیا جاوے اور آئندہ بھی یہ تنخواہ جاری رہے۔ اصل حکم دستخطی سرکار ملفوف ہے۔ بعد کارروائی واپس ہو وے۔"

اسی تاریخ کے ایک اور مراسلہ کے ذریعہ معتمد پولٹیکل و فینانس نے داغ صاحب کو بھی یہ اطلاع روانہ کی "سرکار نے منظور فرمایا ہے کہ آپ کے نام چار سو پچاس روپیہ سکہ حالی تاریخ

ورود حیدرآباد سے جو یکم خورداد ۱۲۹۷ف سے جاری کیے جائیں۔ پس آپ کو حسب دفتر صدر محاسبی سے بقایائے تنخواہ وصول ہوگا اور آئندہ بھی یہ تنخواہ آپ کے نام جاری رہے گی۔"

ریاست حیدرآباد میں داغ کی پہلی بار آمد، تقریباً سوا سال قیام کے بعد (داغ نے لکھا ہے کہ وہ ۳ رشہریور ۱۲۸۰ھ کو حیدرآباد سے رخصت ہوئے) یہاں سے واپسی اور دس ماہ بعد پھر حیدرآباد آنے کے بارے میں جو تاریخیں اور بیانات داغ پر لکھی گئی کتابوں اور مضامین میں درج کیے گئے ہیں ان کی بڑی حد تک آرکائیوز کے ریکارڈ سے توثیق ہوتی ہے مگر بعض تاریخوں اور بیانات کی تصحیح بھی ہو جاتی ہے۔ مثلاً تمکین کاظمی اپنے مضمون "فصیح الملک داغ دہلوی" مطبوعہ رسالہ نورس اپریل ۱۹۵۸ء میں لکھتے ہیں کہ دلّی میں نو مہینے رہ کر داغ نے ۲۹ مارچ ۱۸۹۰ء کو پھر حیدرآباد کا قصد کیا تھا جبکہ داغ اپنی درخواست میں لکھتے ہیں "ساڑھے تین سال کی مدت میں ایک مرتبہ ہندوستان جانے کا اتفاق اس طرح ہوا کہ ۳ رشہر شہریور ۱۲۹۸ف کو میں بلدہ سے گیا اور خورداد ۱۲۹۹ف کو بلدہ میں واپس آ گیا جس کی مدت دس مہینے ہے۔"

داغ کی تنخواہ کے بارے میں آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز میں جو ریکارڈ موجود ہے اس ریکارڈ اور آرکائیوز میں محفوظ دیگر آصف جاہی ریکارڈ کے غائر مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سابق ریاست حیدرآباد میں علاحدہ فرمان کے اجراء کا بتدریج ارتقاء عمل میں آیا تھا۔ آرکائیوز میں محفوظ آصف جاہی دور کے ریکارڈ میں صرف آصف سادس میر محبوب علی خاں کے عہد سے فرامین ملتے ہیں اور وہ بھی ۱۳۱۹ھ م ۱۹۰۱ء سے جب کہ ان کی تخت نشینی اور حکمرانی کا آغاز ۱۳۰۱ھ م ۱۸۸۴ء سے ہوا تھا۔ باقاعدہ اور علاحدہ فرامین کی اجرائی سے قبل یعنی ۱۳۱۹ھ سے قبل کے آرکائیوز کا ریکارڈ دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ مدار المہام کسی درخواست یا کارروائی کو اپنی تجویز یا سفارش کے ساتھ بذریعہ عرضداشت آصف سادس کے ملاحظہ اور احکام کے لیے پیش کرتے تھے اور آصف سادس اس سلسلہ میں اپنا علاحدہ فرمان جاری کرنے کی بجائے اسی عرضداشت پر اپنا حکم لکھ دیتے تھے۔ لائق علی خاں سالار جنگ دوم اور آسمان جاہ بہادر کی دور مدار المہامی کی ایسی بہت سی عرضداشتیں آرکائیوز میں موجود ہیں جن پر آصف سادس

نے بقلمِ خود تجاویز یا احکام تحریر کیے تھے ۔ اس کے علاوہ ایک صورت یہ بھی ہوتی تھی کہ مدارالمہام کی عرضداشت پر یا مدارالمہام کی جانب سے راست ملاحظہ میں پیش کردہ کسی بھی شخص کی درخواست پر آصف سادس زبانی حکم دے دیا کرتے تھے اور مدارالمہام بعد میں والی ریاست کا حکم متعلقہ عرضداشت یا درخواست پر اپنے قلم سے تحریر کر دیا کرتے تھے۔ داغ کی درخواست کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ داغ کی تنخواہ کے بارے میں آصفِ سادس نے مدارالمہام آسمان جاہ کو زبانی احکام دیے تھے اور آسمان جاہ نے بعد میں ان احکام کو اپنے قلم سے درخواست پر تحریر کر دیا تھا۔

ماخذِ مضمون

نشان محافظی دفتر ۳۳/۷ بابت ۱۳۰۱ فصلی

نشان ۶/۷۶ صیغہ حساب بابت ۱۳۰۰ فصلی

مقدمہ منظوری ایک ہزار روپیہ مدد خرچ برائے داغ صاحب و پانصد روپیہ برائے نرسنگ راؤ صاحب

ملفوف ۶

۵/۷

فرد تاریخ ورود دبلی فرخنده بنیاد حیدرآباد — حسب تفصیل ذیل —

غرہ خورداد ۱۲۹۷ سنہ فصلی مطابق ۷ شہر اپریل ۱۸۸۸ع

خورداد ۱۲۹۷ سنہ فصلی لغایت غرہ خورداد ۱۲۹۸ سنہ فصلی	یکسال
خورداد ۱۲۹۸ سنہ فصلی لغایت غرہ خورداد ۱۲۹۹ سنہ فصلی	یک سال
خورداد ۱۲۹۹ سنہ فصلی لغایت غرہ خورداد ۱۳۰۰ سنہ فصلی	یک سال
خورداد ۱۳۰۰ سنہ فصلی لغایت ۲۰ آبان ۱۳۰۰ سنہ فصلی	۶ — ماہ
	سہ سال ۶ ماہ

اس ساڑھے تین سال کی مدت میں ایکمرتبہ ہندوستان جانیکا اتفاق اسطرح ہوا کہ ۳ شہر شہریور ۱۲۹۸ سنہ ف کو مین بلدہ سے گیا
اور خورداد ۱۲۹۹ سنہ ف کو بلدہ مین واپس آگیا جسکی مدت کل دس مہینے ہے فقط

ماه الہی سنہ ۱۳۱۰ ف
مرتبہ دفتر مدار المہام سرکار عالی علاقہ پولٹیکل و فنانس واقع ۲۹ ربیع الاول ۱۳۱۳ھ مطابق ۲۷ امرداد
نشان تصدیق سرکار
نشان علاقہ متعلق

بعد ملاحظہ تاریخ عمل

حسب الحکم مدار المہام سرکار عالی — معتمد

منجانب نواب محسن الملک بہادر معتمد پولٹیکل و فنانس
بخدمت نواب مرزا خان صاحب داغ۔ — اجراء وظیفہ بنام داغ صاحب

سرکار نے منظور فرمایا ہے کہ آپ کے نام چار سو پچاس روپیہ سکہ حالی تاریخ ورود حیدرآباد سے
جو بحکم حضور پرنور شرف انفصال جاری کئے جاویں لہٰذا آپ کو حسب دفتر صدر محاسبی سے بقایا تنخواہ
وصول ہو گا اور آئندہ بھی یہ تنخواہ آپکے نام جاری ہو گی۔ فقط

محسن الملک

مندر ہزار ستون اور قلعہ ورنگل

سابق ریاستِ حیدرآباد میں بہتر نگہداشت

سابق ریاست حیدرآباد میں آصف جاہی حکمرانوں نے مذہبی رواداری اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی صحت مند روایات کو کچھ اس طرح پروان چڑھایا تھا کہ سارے برصغیر میں اس ریاست کی ہندو مسلم رعایا کے میل جول اور بھائی چارہ کی مثال دی جاتی تھی یہاں عیدین تیوہار اور خوشی کے مواقع سب مل کر منایا کرتے تھے۔ مسلمانوں کی عیدوں کی تقاریب بڑے پیمانے پر ہندو امرا کی کوٹھیوں پر بھی اور ہندو تیوہاروں کی تقاریب مسلمان امرا کی دیوڑھیوں پر منعقد ہوا کرتی تھیں۔ یوں تو سب ہی آصف جاہی حکمران اپنی رعایا کو بے حد عزیز رکھتے تھے لیکن آصف سادس نواب میر محبوب علی خاں اپنے مشفقانہ رویہ، وسیع القلبی اور مذہبی رواداری کے باعث اس سلسلہ میں خصوصی امتیاز رکھتے تھے۔ رعایا میں ان کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ رعایا انھیں ولی اور اوتار کا درجہ دیتی تھی۔ ان کی شخصیت اور ان کے ذاتی اوصاف نے اس دور کے ماحول اور حکومت کی مشنری کو متاثر کیا تھا۔ اس ہر دل عزیز والیِ ریاست کے اس کردار کو نمایاں کرنے والے متعدد واقعات قصہ کہانیوں کی شکل اختیار کرچکے ہیں جن کی صدائے بازگشت اب تک بھی حیدرآباد کے کتنے ہی گھرانوں کے بزرگوں کے توسط سے سنی جاسکتی ہے لیکن —— اس مختصر مضمون میں آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز کی ایک مثل سے ایسا مواد پیش کیا جارہا ہے جس سے آصف سادس کے

زیرِ تبصرہ کردار پر روشنی پڑتی ہے۔ یہ مواد کچھ اس طرح ہے کہ رزیڈنسی کی جانب سے ریاستِ حیدرآباد کے آثارِ قدیمہ اور تاریخی مقامات بالخصوص کاکتیہ دور کے آثار یعنی ہنمکنڈہ کے مندر ہزار ستون اور قلعہ ورنگل کی نگہداشت اور مرمّت کے لیے حکومت ریاست حیدرآباد کی توجہ مبذول کروائی گئی تھی تو ریاست کے فرمان روا نواب میر محبوب علی خاں نے بلا تامل حتیٰ کہ کوئی استفسار کیے بغیر اس سلسلہ میں ضروری بندوبست کرنے کے احکام صادر کر دیے تھے۔ اس مثل کے تمام کاغذات کا بغور مطالعہ کرنے سے دو باتیں واضح طور پر سامنے آتی ہیں۔ پہلی بات یہ کہ انگریزوں نے آثارِ قدیمہ کی نگہداشت اور حفاظت کا ہمیشہ خیال رکھا اور ایک مہذّب قوم ہونے کا ثبوت دیا۔ دوسری بات یہ ہے کہ آصف سادس نے ضروری کارروائی کے لیے جہاں فرمان صادر کیا ریاست کے مدارالمہام مہاراجہ سرکشن پرشاد کے پرائیوٹ سکریٹری فریدوں جی نے اس کارروائی میں دل چسپی لے کر بلا تاخیر کام کی تکمیل کے لیے متعلقہ عہدیداروں کو خصوصی ہدایات روانہ کیں جن پر عمل کرتے ہوئے ان عہدیداروں نے ضروری اقدامات کیے۔ حکومت ریاست حیدرآباد کی جانب سے مندر ہزار ستون کی بہتر نگہداشت کے لیے پانچ ہزار روپے منظور کیے گئے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ عہدہ داروں کو اس سلسلہ میں اپنے حکمران کے مزاج، خیالات اور ان کی فکرمندی کا پورا پورا احساس تھا اور وہ ان کی مرضی اور منشا کے مطابق عمل کرنے کو بڑی اہمیت دیتے تھے۔

آرکائیوز کی مثل سے اس سلسلہ میں جو تفصیلات سامنے آئی ہیں وہ سلسلہ وار پیش کی جا رہی ہیں۔

رزیڈنسی سے میجر ڈبلیو ہیگ نے ایک مراسلہ مورخہ ۲۹ ستمبر ۱۹۰۲ء فریدوں جی، پرائیوٹ سکریٹری، مدارالمہام مہاراجہ سرکشن پرشاد کے نام تحریر کیا تھا اس مراسلہ کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جا رہا ہے۔

مسٹر ہورنے جو دکن میں گھومتے رہے ہیں اس علاقہ کے آثارِ قدیمہ اور تاریخی مقامات

کا معائنہ کیا ہے ۔ اس سلسلہ میں انھوں نے وائسرائے کے پرائیوٹ سکریٹری کے نام ایک مکتوب روانہ کیا ہے جس کے ذریعہ انھوں نے اس تاریخی ورثہ کی بہتر نگہداشت اور اسے محفوظ کروانے کی جانب توجہ مبذول کروائی ہے ۔ انھوں نے خصوصیت کے ساتھ ہنمکنڈہ کے مندر ہزار ستون اور قلعہ ورنگل کا تذکرہ کیا ہے ۔ ہنمکنڈہ کے مندر کے بارے میں انھوں نے لکھا ہے کہ جس جگہ یہ مندر واقع ہے اس جگہ سے مٹی کھود کھود کر لے جائی جارہی ہے اور تعمیری کاموں میں اسے استعمال کیا جارہا ہے ۔ اس طرح مٹی کھودنے کی وجہ سے مورتیوں کے ایک مجموعہ کی بنیاد متاثر ہوگئی ہے اور وہ قدرے جھک گیا ہے تاہم وہ ابھی تک ایک مجموعہ کی شکل میں موجود ہے مسٹر ہور نے لکھا ہے کہ فوری اور مناسب توجہ اس کو محفوظ رکھ سکتی ہے ۔ انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ مورتیوں کا سب سے عمدہ مجموعہ بہتر حالت میں ہے لیکن کمتر درجہ کا مجموعہ بھی محفوظ رکھے جانے کے قابل ہے ۔ ان کا خیال ہے کہ اس مقام کو صاف ستھرا رکھا جانا چاہیے اور اس کی احاطہ بندی کی جانی چاہیے ۔ قلعہ ورنگل کے تعلق سے مسٹر ہور لکھتے ہیں کہ کوئی شوقین یا وہم پسند شخص تراشیدہ پتھر کے ٹکڑوں کو جو بکھرے پڑے ہیں متعدد بنڈیوں میں بھر کر آسانی سے لے جاسکتا ہے ۔ انھوں نے اپنے اس مکتوب میں تجویز کیا کہ قلعہ کے اندر کے مکانات کو منہدم کردیا جائے اور پتھروں کو اکٹھا کرکے ان کی اصل جگہ پر رکھ دیا جائے ۔

رزیڈنسی سے میجر ہیگ کے مراسلہ کی وصولی پر مدار المہام مہاراجہ سرکشن پرشاد نے ایک عرضداشت میجر ہیگ کے مراسلہ کی نقل کے ساتھ آصف سادس کی خدمت میں پیش کی ۔ مہاراجہ اس عرضداشت مورخہ ۶ ر اکٹوبر ۱۹۰۲ء میں لکھتے ہیں :

" خانہ زاد کو بھی اس امر سے اتفاق ہے کہ ممالک محروسہ سرکار عالی میں جو آثار قدیمہ اور تاریخی مقامات ہیں اُن کی بطور وافی نگہداشت اور حفاظت کی جائے اور ایسے قدیم نادرۂ روزگار یادگاروں کو جن کے دیکھنے کے لیے دور دراز ملکوں سے سیاح لوگ آتے ہیں ایسی مبتذل اور خراب حالت میں نہ رکھا جائے ۔ انگریزی علاقہ جات میں جہاں ایسی آثار قدیمہ اور تاریخی مقامات ہیں گورنمنٹ آف انڈیا انھیں بصرف کثیر محفوظ حالت میں رکھتی ہے ۔ اگر

ہمارے یہاں کے آثار قدیمہ اور تاریخی مقامات کی حفاظت اور نگہداشت کے لیے حکم قضا شیم نافذ ہو تو اس کے لیے ضروری بندوبست کیا جائے گا"

مہاراجہ نے مندرجہ بالا عرضداشت میں جس رائے کا اظہار کیا تھا آصف سابع نے اس سے اتفاق کرتے ہوئے حسبِ ذیل فرمان مورخہ ۱۶ ار رجب ۱۳۲۰ ھ م ۸ ر اکتوبر ۱۹۰۲ء جاری کیا۔

"آپ کی رائے مورخہ ۱۴ ار رجب المرجب ۱۳۲۰ ھ سے مجھے پورا اتفاق ہے کہ ہمارے ممالک محروسہ کے آثار قدیمہ اور تاریخی مقامات کی بطور واقعی نگہداشت و حفاظت کرنی ضروری ہے لہٰذا اس کے لیے ضروری بندوبست کیا جائے۔"

اس فرمان کے صادر ہونے پر فریدون جی، پرائیوٹ سکریٹری مدارالمہام مہاراجہ کشن پرشاد نے ایک مراسلہ مورخہ ۲۵ ر اکٹوبر ۱۹۰۲ء کے ذریعہ میجر ہیگ کو اطلاع دی کہ ہنمکنڈہ میں واقع مندر ہزار ستون اور قلعہ ورنگل کی حالت کے بارے میں انھوں نے جو مراسلہ روانہ کیا تھا اسے آصفِ سادس کے ملاحظہ کے لیے پیش کیا گیا تھا جس پر آصف سادس کے احکام وصول ہو چکے ہیں۔ آصف سادس نے مندر اور قلعہ کے بارے میں ضروری انتظامات کرنے کی ہدایات دی ہیں۔ چناں چہ وہ حسبِ ہدایت ایک مراسلہ محکمہ تعمیرات کے نام روانہ کر رہے ہیں۔ انھیں توقع ہے کہ جلد ہی اس کی تعمیل ہوگی۔ فریدون جی نے اسی دن ایک مراسلہ معتمد تعمیرات کے نام تحریر کر دیا۔ انھوں نے اس مراسلہ کے ساتھ میجر ہیگ کے مراسلہ، مہاراجہ سرکشن پرشاد کی عرضداشت اور آصف سادس کے فرمان کی نقلیں بھی منسلک کر دیں۔ فریدون جی نے معتمد تعمیرات سے درخواست کی کہ اس سلسلے میں ضروری اقدامات سے انھیں مطلع کیا جائے۔ فریدون جی نے اپنے اس مراسلہ میں یہ بات بھی واضح کر دی کہ صرف ضلع انجینیر کے نام احکام جاری کرتے پر اکتفا نہیں کرنا چاہیے کیوں کہ اس بات کا کیا یقین ہے کہ فی الواقعی کام ہو رہا ہے۔ اس قسم کی مثالیں ایک سے زیادہ بار سامنے آچکی ہیں۔ اس لیے وہ خاص طور پر درخواست کرتے ہیں کہ اس سلسلے میں نہ صرف

تفصیلی احکام جاری کیے جائیں بلکہ وہ خود (معتمد تعمیرات) ذاتی طور پر اس بات کا اطمینان کرلیں کہ کام کا آغاز جلد ہو اور کام توجہ اور احتیاط سے کیا جائے۔

فریدوں جی کے متذکرہ بالا مراسلہ کے جواب میں معتمد تعمیرات نے اپنے مراسلہ مورخہ ۲ نومبر ۱۹۰۲ء کے ذریعہ یہ اطلاع دی کہ آثار قدیمہ اور تاریخی مقامات کی نگہداشت کے لیے عمومی نوعیت کی ایک تجویز زیر غور ہے۔ اس کے بعد جب تقریباً تین ماہ کی مدت گزر گئی اور محکمہ تعمیرات کی جانب سے اس کارروائی کے سلسلے میں فریدوں جی کو کوئی اطلاع نہیں ملی تو انھوں نے اس بارے میں ۳۱ر جنوری ۱۹۰۳ء کو ایک اور مراسلہ معتمد تعمیرات کے نام روانہ کیا جس میں انھوں نے تحریر کیا کہ انھیں کوئی اطلاع نہیں دی گئی ہے کہ مجوزہ اسکیم کس مرحلہ تک پہنچی ہے اور آیا ہنمکنڈہ کے مندر اور قلعہ ورنگل کی نگہداشت کے لیے کوئی عملی اقدامات کیے گئے ہیں یا نہیں؟ اگر اس سلسلے میں ضروری احکام جاری کیے جا چکے ہیں تو آیا ان پر موثر عمل آوری ہوئی ہے؟ اس سلسلہ میں اطلاع دی جائے تاکہ رزیڈنٹ کو مطلع کیا جاسکے۔ اس کے جواب میں معتمد تعمیرات نے اپنے مراسلہ مورخہ ۲۶ر فروری ۱۹۰۳ء کے ذریعہ فریدوں جی کو اطلاع دی کہ آثار قدیمہ اور تاریخی مقامات کی نگہداشت کے سلسلہ میں چند تجاویز معین المہام تعمیرات کی خدمت میں پیش کی گئی ہیں اور اس بارے میں قطعی احکام کی منظوری پر انھیں اطلاع دی جائے گی۔ مندر ہزار ستون اور قلعہ ورنگل کے بارے میں سپرنٹنڈنگ انجینیر سے خواہش کی گئی ہے کہ وہ تخمینہ تیار کرکے پیش کریں۔ معتمد تعمیرات کے ایک اور مراسلہ مورخہ مورخہ یکم اپریل ۱۹۰۳ء کے ذریعہ سپرنٹنڈنگ انجینیر کو یہ اطلاع دی گئی کہ آصف سابع نے ریاست کے تمام آثار قدیمہ اور تاریخی مقامات کی نگہداشت کے لیے بہتر انتظامات کرنے کے احکام صادر کردیے ہیں۔ اس مراسلہ میں دیگر تمام مقامات کے بارے میں ہدایات دیتے ہوئے لکھا گیا کہ مندر ہزار ستون اور قلعہ ورنگل بڑی اہمیت کے حامل ہیں اس لیے اس جانب فوری توجہ دی جائے۔ اس مراسلہ کی ایک نقل فریدوں جی کو بھیجی گئی۔ فریدوں جی نے ایک مراسلہ کے ذریعہ میجر بیگ کو اطلاع دی کہ معتمد تعمیرات نے سپرنٹنڈنگ انجینیر کو آصف سابع کے احکام پہنچا دیے ہیں۔

فریدوں جی نے اس کارروائی کے سلسلے میں کیپٹن واکر، معتمد فینانس سے بھی گفتگو کی تھی۔ اسی گفتگو کے حوالہ سے انھوں نے اس کارروائی کی مثل بغرض مطالعہ کیپٹن واکر کے پاس روانہ کی۔ جس کے جواب میں معتمدی فینانس کی جانب سے فریدوں جی کو بذریعہ مراسلہ مورخہ ۲۸/اگسٹ ۱۹۰۳ء یہ اطلاع دی گئی کہ حکومت نے آنے والے فصلی سال میں ہنمکنڈہ مندر کے لیے پانچ ہزار روپے منظور کیے ہیں۔

اس مثل میں مندرج حقائق سے یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ سابق ریاست حیدرآباد کے اس حکمران نے انگریزوں کے دباؤ میں آکر کام کیا ہو بلکہ یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مندر ہزار ستون اور قلعہ ورنگل کی بہتر نگہداشت اور صیانت کے تعلق سے توجہ دہانی کیوں کہ معقول تھی اس لیے اس پر فوری اقدامات کیے گئے۔ اس میں یقیناً والئ ریاست کی وسیع النظری، کشادہ قلبی اور ان کے سیکولر رویہ کو بھی دخل تھا۔ سابق ریاست، اس کے حکمران اور عہدیداروں کی یہ عالی قدر روایات خطۂ دکن کی اگلی نسلوں کو عظیم ورثہ کے طور پر ملی ہیں جس پر جتنا بھی فخر کیا جائے کم ہے۔

ماخذِ مضمون

Instalment No.34, List No.3, Serial No.863

Subject: Maintenance and preservation of the temple of thousand pillars and the fort at Warangal.

جس طرح ریاست میسور کی جانب سے کی گئی ہے۔ ریاست میسور کی جانب سے پانچ سو روپیہ سالانہ کی امداد منظور کی گئی ہے۔ سررشتۂ تعلیمات کے موازنہ میں گنجائش نہیں ہے۔ اگر آصف سابع امداد عطا کرنا مناسب خیال فرمائیں تو امداد زائد از موازنہ منظور فرمائی جائے۔ ناظم تعلیمات نے معتمد تعلیمات کی رائے سے اتفاق کیا۔ صدر المہام فینانس (سر اکبر حیدری) نے رائے دی کہ دنیا کی ایک معرکۃ الآرا تصنیف مہابھارت جو ہندوستانی نقطۂ نظر سے ہر آئینہ ایک قومی کتاب ہے اس کی اشاعت کی سرپرستی کی تحریک پر نہایت ہمدردانہ طور پر غور کرنا مناسب ہوگا۔ انھوں نے لکھا کہ حال ہی میں ارباب انسٹی ٹیوٹ نے ان سے مل کر حسب ذیل امور کی شدید ضرورت ظاہر کی تھی۔

(۱) انسٹی ٹیوٹ میں حصول تعلیم کے لیے جو طلبا آتے ہیں ان کے لیے ایک گیسٹ ہاؤس کی تعمیر۔

(۲) مہابھارت کی اشاعت

(۳) انسٹی ٹیوٹ میں ایرانی وسٹمک کی تعلیم کے لیے سہولتیں بہم پہنچانا۔ پہلے دو امور کی تائید کرتے ہوئے سر اکبر حیدری نے لکھا کہ گیسٹ ہاؤس کی تعمیر کے لیے پچیس ہزار روپیہ کی یکمشت امداد اس شرط سے دی جائے کہ یہ عمارت آصف سابع کے نام سے موسوم کی جائے اور معرکتہ الآرا قومی کتاب "مہابھارت" کی اشاعت کے لیے دس سال تک سالانہ دو ہزار پانچ سو روپیہ کی امداد دی جائے۔

جب یہ کارروائی باب حکومت کے اجلاس منعقدہ ۸ اگست ۱۹۳۲ء میں پیش ہوئی تو بہ اختلاف رائے صدر المہام مال یہ قرارداد منظور ہوئی؛

بھنڈارکر انسٹی ٹیوٹ میں ایک گیسٹ ہاؤس کی تعمیر کے لیے جو بندگان اعلیٰ حضرت کے اسم ہمایونی سے موسوم ہوگا۔ پچیس ہزار روپیہ کلدار سرکار عالی کی جانب سے دیے جائیں اور مہابھارت کی اشاعت کے لیے ایک ہزار روپیہ کلدار سالانہ دس سال تک دیے جائیں۔ صدر المہام مال (لفٹننٹ کرنل ٹرنچ) کو اس سے اس وجہ سے اختلاف ہے کہ آج کل کے اقتصادی حالات اور مالی مشکلات کے مدنظر سرکار عالی کو یہ عطیہ نہیں دینا چاہیے۔"

صدر اعظم (مہاراجہ کشن پرشاد) نے انسٹی ٹیوٹ کے سکریٹری کی درخواست کا خلاصہ، درخواست پر ناظم تعلیمات، معتمد تعلیمات اور صدرالمہام فینانس کی سفارشات اور کونسل کی قرارداد ایک عرضداشت مورخہ ۲۴ ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ م ۲۷ اگست ۱۹۳۲ء میں درج کرتے ہوئے آصفِ سابع کے ملاحظہ اور احکام کے لیے پیش کی۔

آصفِ سابع نے کونسل کی رائے سے اتفاق کیا اور گیسٹ ہاؤس کی تعمیر اور مہابھارت کی اشاعت کے لیے امداد منظور کی۔ اس سلسلہ میں آصفِ سابع کا جو فرمان مورخہ ۴ جمادی الاوّل ۱۳۵۱ھ م ۶ ستمبر ۱۹۳۲ء صادر ہوا تھا اس کا متن ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

"کونسل کی رائے مناسب ہے۔ حسبۂ مذکور انسٹی ٹیوٹ میں ایک گیسٹ ہاوز تعمیر کرنے کے لیے جو میرے نام سے موسوم ہوگا (یعنی نظام گیسٹ ہاوز) پچیس ہزار روپیہ کلدار یکمشت دیے جائیں اور مہابھارت کی اشاعت کے لیے دس سال تک ایک ہزار روپیہ کلدار سالانہ امداد دی جائے۔"

آصفِ سابع کے فرمان کی تعمیل کی گئی جس پر بھنڈارکر اورینٹل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے اعزازی سکریٹری نے ایک مراسلہ کے ذریعہ اطلاع دی کہ آصفِ سابع کی جانب سے جو فیاضانہ امداد دی گئی ہے اس کے لیے ادارہ کی ریگولیٹنگ کونسل بارگاہِ خسروی میں شکرو ونیاز عرض کرتی ہے۔ نیز ریگولیٹنگ کونسل نے بالاتفاق طے کیا ہے کہ اس فیاضانہ عطیہ کے مدنظر ہز اگزالٹیڈ ہائی نس میر عثمان علی خاں بہادر کو بھنڈارکر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کا سرپرست منتخب کیا جائے۔ اس درخواست پر کونسل نے اپنے اجلاس میں یہ رائے ظاہر کی کہ انسٹی ٹیوٹ کی استدعا لائق پذیرائی ہے۔ کونسل کی سفارش منظور کرتے ہوئے آصف سابع نے انسٹی ٹیوٹ کی سرپرستی قبول کی اور فرمان مورخہ ۵ ربیع الاوّل ۱۳۵۲ھ م ۲۹ جون ۱۹۳۳ء کے ذریعہ یہ حکم صادر ہوا "کونسل کی رائے کے مطابق مذکورہ استدعا منظور کی جائے" سرپرستی قبول کیے جانے کی اطلاع ملنے پر اس انسٹی ٹیوٹ کے آنریری سکریٹری نے اپنے ایک مراسلہ کے ذریعہ شکریہ ادا کرتے ہوئے لکھا کہ نظام گسٹ ہاؤس جو سرکار عالی کی فیاضانہ امداد

سے تیار ہو رہا ہے اس کی تعمیر قریب الختم ہے۔ وائسرائے ہند عنقریب پونا آنے والے ہیں انھیں اس موقع پر بھنڈارکر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کا معائنہ کرنے کے لیے مدعو کیا گیا ہے اور وائسرائے نے دعوت قبول کر لی ہے۔ چوں کہ وائسرائے نئے تعمیر ہونے والے نظام گیسٹ ہاؤس کا بھی معائنہ کریں گے اس لیے اس موقع پر بہ حیثیت معطی گیسٹ ہاوز سرپرست ادارہ آصفِ سابع کی جانب سے وائسرائے کی آمد کا موزوں الفاظ میں خیر مقدم کیا جائے تو نہایت مناسب ہوگا۔ اس کے علاوہ گیسٹ ہاوز کی تعمیر کے لیے مزید امداد منظور کرنے کی بھی درخواست کی گئی۔ اس بارے میں سکریٹری نے لکھا کہ نظام گیسٹ ہاوز کی تعمیر کے لیے سابق میں جو تخمینہ تیار کیا گیا تھا اس سے تین ہزار روپیہ کا زائد خرچ اس وجہ سے ہوا ہے کہ یورپی ممالک کے مہمانوں کے قیام میں سہولت کی غرض سے بعض زائد انتظامات کو ضروری خیال کیا گیا نیز اصل تخمینہ میں فرنیچر کے لیے گنجائش نہیں رکھی گئی تھی جس کے لیے مزید تین ہزار روپیہ درکار ہیں۔ اس طرح نظام گیسٹ ہاوس کے لیے جملہ چھ ہزار روپیہ کی امداد عنایت کی جائے۔

صدرِ اعظم مہاراجہ سرکشن پرشاد نے اس کارروائی کی تفصیلات اور انسٹی ٹیوٹ کے سکریٹری کی درخواست کا خلاصہ ایک عرضداشت مورخہ ۲۲ رجولائی ۱۹۳۳ء کے ذریعہ آصفِ سابع کی خدمت میں پیش کیا مگر آصفِ سابع نے اس مرتبہ مزید امداد دینے اور پیام روانہ کرنے کی استدعا منظور نہیں کی۔ عرضداشت پیش ہونے کے دوسرے ہی روز معتمد پیشی نے معتمد بابِ حکومت کو ایک مراسلہ کے ذریعہ آصفِ سابع کے حسبِ ذیل احکام کی اطلاع دی۔

"دونوں امورات سے ہم کو تعلق نہیں ہے۔ جو کچھ ہم کو کرنا تھا وہ کر چکے۔ خاموشی مناسب ہے۔" گیسٹ ہاوز کی تعمیر کے لیے مزید امداد کی منظوری نہ ملنے پر اور حکومتِ ریاستِ حیدرآباد کی خاموشی اختیار کر لینے پر بھی بھنڈارکر انسٹی ٹیوٹ کے اربابِ اقتدار خاموش نہیں بیٹھے۔ چند ماہ بعد انسٹی ٹیوٹ کے آنریری سکریٹری نے ایک درخواست مورخہ ۱۴ رفروری ۱۹۳۴ء روانہ کی جس میں استدعا کی گئی کہ نظام گسٹ ہاوز کی بقیہ تعمیر کے لیے ڈھائی ہزار اور اس کے فرنیچر کے لیے پانچ ہزار یعنی ساڑھے سات ہزار روپے عطا کیے جائیں۔ اگر یہ امداد

منظور نہ کی گئی تو عمارت نامکمل رہ جائے گی۔ انسٹی ٹیوٹ خود اس سلسلہ میں کچھ کرنے کے قابل نہیں ہے کیوں کہ وہ اس وقت پینتیس ہزار روپے کا مقروض ہے۔ اس درخواست پر معتمدِ تعلیمات نے رائے دی کہ اب کوئی رقمی امداد نہیں دی جا سکتی۔ محکمہ فینانس نے لکھا کہ اسے تکمیل عمارت کی بابت ڈھائی ہزار روپے منظور کیے جانے سے اختلاف نہیں ہے مگر بابِ حکومت نے مزید ساڑھے سات ہزار روپیہ کی یکمشت امداد دینے کی سفارش کی۔ صدرِ اعظم نے اس کارروائی کو ایک عرضداشت مورخہ ۱۱ر ستمبر ۱۹۳۴ء کے ذریعہ آصفِ سابع کے ملاحظہ کے لیے پیش کیا۔ اس بار آصفِ سابع نے مزید امداد کی منظوری دے دی۔ اس سلسلہ میں آصفِ سابع کا حسبِ ذیل فرمان مورخہ ۱۳ر ستمبر ۱۹۳۴ء صادر ہوا تھا۔

"کونسل کی رائے کے مطابق مذکور انسٹیٹوٹ کو مزید ساڑھے سات ہزار روپیہ کلدار یکمشت دیے جائیں لیکن انسٹی ٹیوٹ کے سکریٹری کو اطلاع دی جائے کہ اس کے بعد کوئی مزید امداد نہ دی جائے گی۔"

جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ مہابھارت کی اشاعت کے لیے دس سال تک ایک ہزار روپیہ کلدار سالانہ امداد کی منظوری بذریعہ فرمان مورخہ ۴ر جمادی الاول ۱۳۵۱ھ عمل میں آئی تھی۔ یہ تعمیلِ فرمان اسی وقت احکام کی اجرائی بھی عمل میں آئی تھی۔ جب یہ دس سالہ مدت ختم ہونے کو تھی تو انسٹی ٹیوٹ کے سکریٹری نے اس کام کی رپورٹ پیش کرتے ہوئے استدعا کی کہ منظورہ امداد کی مدت قریب الختم ہے لہذا ادارہ کی ترقی کے مدِنظر منظورہ سالانہ امداد میں مزید دس سال کی توسیع منظور فرمائی جائے۔ اس درخواست پر محکمہ فینانس نے رائے دی کہ موجودہ حالات کے مدِنظر فینانس کے لیے اس رقم کا زائد از موازنہ فراہم کرنا دشوار ہے اس لیے مناسب ہوگا کہ جو رقم بھی بابِ حکومت سے منظور کی جائے اس کی ادائی محکمہ تعلیمات یا عثمانیہ یونیورسٹی کے بجٹ سے ہو۔ مجلسِ اعلیٰ جامعہ عثمانیہ اور صدر المہام تعلیمات نے پانچ سو روپیہ سالانہ کلدار کی امداد دینے سے اتفاق کیا لیکن کونسل نے سفارش کی کہ جامعہ عثمانیہ کی بچت سے پانچ سو روپیہ کلدار کی امداد سرِدست ایک سال کے لیے عطا کی جائے۔ جب صدرِ اعظم نے تمام کارروائی کی تفصیلات ایک عرضداشت مورخہ ۲۷ر جون ۱۹۴۲ء کے ذریعہ آصف سابع کے ملاحظہ اور

احکام کے لیے پیش کیں تو انھوں نے مزید امداد کی بھی منظوری دے دی۔ اس بارے میں حسب ذیل فرمان مورخہ ۲۵ رجب ۱۳۶۱ھ م ۱۹ اگست ۱۹۴۲ء جاری ہوا تھا۔

"کونسل کی رائے کے مطابق مذکور انسٹی ٹیوٹ کو مہابھارت کی اشاعت کی غرض سے گنجائش محولہ سے مزید ایک سال تک پانچ سو روپیہ کلدار سالانہ امداد دی جائے اس کے بعد یہ جاری نہیں رہ سکتی۔"

مہابھارت کی اشاعت کے لیے ساڑھے دس ہزار روپیہ کلدار کی رقم گیارہ سال کی مدت یعنی ۱۹۳۲ء تا ۱۹۴۲ء کے دوران جاری کی گئی تھی۔ یہ رقم اگر آج ادا کی جائے تو آج کی قدرِ زر value of Money کے پیشِ نظر یقیناً حقیر کہلائے گی لیکن اُس دور کے ہزار روپیہ آج کے پچاس ہزار روپیہ تا ایک لاکھ سے کم نہ تھے۔ اس طرح صرف ایک کتاب کی اشاعت کے لیے آج کی قدرِ زر کے حساب سے لاکھوں روپیہ کی امداد آج کے جمہوری دور کی علم دوستی اور علم و ادب کی سرپرستی کے پیمانوں سے بھی غیر معمولی اور فیاضانہ تسلیم کی جائے گی اور اس فیاضی کی مثال ملک کے کسی دوسرے حصہ میں مشکل ہی سے ملے گی۔ گیسٹ ہاوز کی تعمیر کے لیے پچیس ہزار روپیہ ۱۹۳۲ء میں اور مزید ساڑھے سات ہزار روپیہ ۱۹۳۴ء میں ادا کیے گئے تھے۔ یہ دوسری عالم گیر جنگ سے پہلے کا دور ہے۔ جہاں تک گیسٹ ہاوز کی تعمیر کے لیے ساڑھے بتیس ہزار روپیہ کی امداد کا تعلق ہے اس کی اہمیت اور قدر و قیمت کا اندازہ لگانے کے لیے صرف اتنا اشارہ کافی ہوگا کہ حالیہ تین چار دہوں کی مدت میں زمین اور جائیداد کی قدر و قیمت میں ۱۰۰ اگنا بلکہ اس سے بھی زیادہ اضافہ کی مثالیں ہمارے سامنے موجود ہیں۔

ماخذ

Instalment No.83, List No.7, Serial No.92

مقدمہ نسبت عطائے امداد برائے تعمیر گیسٹ ہاوز در بھنڈارکر انسٹی ٹیوٹ پونا و اشاعت کتاب مہابھارت۔



فرمان

بملاحظہ:۔ عرضداشت صیغہ تعلیمات معروضہ ۲۴۔ ربیع الثانی شریف ۱۳۵۱ھ جو پونہ کے بھنڈارکر اورینٹل ریسرچ انسٹیٹیوٹ کی امداد کی نسبت ہے۔

حکم:۔ کونسل کی رائے مناسب ہے حسبہٗ مذکور انسٹیٹیوٹ مین ایک گسٹ ہاؤس تعمیر کرنے کیلئے جو میرے نام سے موسوم ہوگا (یعنے نظام گسٹ ہاؤس) پچیس ہزار روپیہ ([illegible]) کلدار یکمشت دئے جائین اور مہابھارت کی اشاعت کے لئے دس سال تک ایکہزار روپیہ ([illegible]) کلدار سالانہ کی امداد دی جائے۔

۴۔ جمادی الاول ۱۳۵۱ھ



فرمان

بملاحظۂ :- عرضداشت صیغۂ تعلیمات معروضۂ یکم جمادی الثانی سنہ ۱۳۵۳ھ جو پونہ کے بھنڈارکر اورنٹیل ریسرچ انسٹیٹوٹ کے نظام گسٹ ہاؤس کی تکمیل وغیرہ کیلئے مزید رقمی امداد دینے کی نسبت ہے۔

حکم :- کونسل کی رائے کے مطابق مذکور انسٹیٹوٹ کو مزید ساڑھے سات ہزار روپیہ ([illegible]) کلدار یکمشت دئے جائیں لیکن انسٹیٹوٹ کے سکریٹری کو اطلاع دیجائے کہ اسکے بعد کوئی مزید امداد نہ دیجائیگی۔

۳- جمادی الثانی سنہ ۱۳۵۳ھ



فرمان

بملاحظۂ عرضداشت صیغۂ تعلیمات معروضۂ ۱۲ جمادی الثانی ۱۳۶۱ھ جو بھنڈارکر اورنٹیل انسٹیٹوٹ پونہ کے امداد کی نسبت ہے۔

حکم :- کونسل کی رائے کے مطابق مذکورانسٹیٹوٹ کو مہابھارت کے اشاعت کی غرض سے گنجایش محولہ سے مزید ایک سال تک پانچ سو روپیہ (صہ) کلدار سالانہ امداد دیجائے اسکے بعد یہ جاری نہیں رہسکتی۔

۲۵ رجب المرجب ۱۳۶۱ھ

سعید

26.7.61.

بنارس ہندو یونیورسٹی کو حیدر آباد کی امداد

آصف جاہی خاندان کے آخری حکمران نواب میر عثمان علی خاں کے دور میں ریاستِ حیدر آباد نے زبردست ہمہ جہتی ترقّی کی۔ ان کے عہد میں تمام شعبہ ہائے حیات میں ترقی کی رفتار دیگر آصف جاہی حکمرانوں کے ادوار کی بہ نسبت بہت تیز تھی یوں تو آصفِ سابع کی نگاہ اور توجّہ زندگی کے ہر شعبہ پر تھی لیکن انھوں نے تعلیم کے فروغ اور اس کی اشاعت میں غیر معمولی دل چسپی لی۔ ان کے عہد میں ریاست میں مدارس اور کالجوں کی تعداد میں کئی گنا اضافہ ہوا۔ ریاست میں کوئی یونیورسٹی نہیں تھی، جس کی وجہ سے ریاست کے طلبہ کو مدراس، علی گڈھ اور دوسری جامعات کا رخ کرنا پڑتا تھا۔ اس کمی اور ضرورت کو جامعہ عثمانیہ کے قیام کے ذریعہ پورا کیا گیا جس کی وجہ سے ریاست میں نہ صرف ایک تعلیمی انقلاب رونما ہوا بلکہ زندگی کے دیگر شعبوں میں بھی ایک انقلاب آیا۔ آصف سابع کی تعلیم سے دل چسپی صرف ریاست کی حد تک محدود نہیں رہی بلکہ انھوں نے بیرونِ ریاست کے مدارس، یونیورسٹیوں اور دیگر تعلیمی اداروں کو بھی فیاضانہ طور پر مدد دی۔

علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کو ریاست حیدر آباد سے آصفِ سادس اور آصفِ سابع کے دور میں جو امداد دی گئی تھی وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ سرسید کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنے اور تعلیمی طور پر ہندوستان کے پسماندہ مسلمانوں کے مقدّر کو بدلنے کے لیے بے دریغ روپیہ کی ضرورت تھی۔

ریاست حیدرآباد ملک کی سب سے بڑی دیسی ریاست ہونے کے باعث جس کا حکمران مسلمان تھا علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کے قیام، توسیع اور مقررہ نشانوں کے حصول کے لیے خاطر خواہ مالیہ کی فراہمی کی اپنی ذمہ داری سے روگردانی نہیں کرسکتی تھی۔ علی گڈھ کی طرح ملک کی بعض دوسری جامعات اور ایسی ہی دوسری تحریکوں کی امداد اور سرپرستی کے لیے جہاں ملک بھر میں وسائل لامحدود تھے راجاؤں، مہاراجاوں، سرمایہ داروں اور صنعت کاروں کے خزانوں کے منہ ان کیلیے کھلے تھے، علی گڈھ کے وسائل محدود تھے۔ یہاں زمین سنگلاخ تھی جس کی آب یاری جوئے شیر لانے سے کم نہ تھی اس لیے ریاست حیدرآباد کی طرف سے علی گڈھ کی مدد اور تعاون کو فطری امر کی حیثیت حاصل تھی۔ علاوہ ازیں حیدرآباد سے علی گڈھ جاکر تعلیم حاصل کرنے والوں کی تعداد بھی دیگر جامعات سے رجوع ہونے والوں کے مقابلہ میں نمایاں طور پر زیادہ تھی۔

علی گڈھ یونیورسٹی کے علاوہ بیرونِ ریاست کی چند اہم اور ممتاز یونیورسٹیوں اور تعلیمی اداروں مثلاً گرودیو ٹیگور کی شانتی نکیتن، آندھرا یونیورسٹی، بنارس ہندو یونیورسٹی، بھنڈارکر اورینٹل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ اور دوسرے اداروں کو بھی آصف سابع نے گراں قدر عطیے دیے تھے۔ سیّد منظر علی اپنی کتاب " حیدرآباد کی علمی فیاضیاں" میں لکھتے ہیں۔ "ڈاکٹر رابندرناتھ کی قائم کردہ درس گاہ بول پور کے لیے یکمشت ایک لاکھ روپے کا عطیہ اواخر ۱۳۴۵ھ میں منظور فرمایا گیا۔ ڈاکٹر صاحب اسی کام کے لیے بطور خاص حیدرآباد تشریف لائے تو سوا لاکھ کا عطیہ عنایت فرمایا گیا۔ کہتے ہیں کہ سوا دو لاکھ روپے کے اس عطیے سے شانتی نکیتن میں فارسی زبان کی کرسی قائم کی گئی"۔ شانتی نکیتن کے علاوہ بنارس ہندو یونیورسٹی اور آندھرا یونیورسٹی کو بھی ایک ایک لاکھ روپے کے عطیے دیے گئے تھے۔ عطیوں کی منظوری کے سلسلے میں جو فرامین صادر ہوئے تھے وہ آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز میں محفوظ ہیں۔ ان یونیورسٹیوں کے علاوہ بھنڈارکر اورینٹل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کو ایک گیسٹ ہاوس کی تعمیر اور مہابھارت کی اشاعت کے لیے ساڑھے ستائیس ہزار اور ساڑھے دس ہزار روپے منظور کیے گئے تھے۔ اس کی تفصیلات میں نے ایک علاحدہ مضمون میں بیان کی ہیں۔ اس مضمون میں بنارس یونیورسٹی کو دیے گئے عطیہ کی کارروائی کی تفصیلات دی

جارہی ہیں جو آرکائیوز کے مستند ریکارڈ کی چھان بین اور تجزیہ کا نتیجہ ہیں۔ بنارس ہندو یونیورسٹی اور انجمن حمایتِ اسلام کو ریاست حیدرآباد کی جانب سے عطیے دیے جانے کی نسبت بابِ حکومت نے اپنے اجلاس منعقدہ ۸ بہمن ۴۸ ۱۳ ف م ۱۲ ڈسمبر ۱۹۳۸ء میں حسبِ ذیل قرارداد منظور کر کے آصفِ سابع کے ملاحظہ کے لیے روانہ کی تھی۔

"بالاتفاق قرار پایا کہ ہز ہائی نس مہاراجہ بیکانیر کی آمد کے موقع پر جو بنارس یونیورسٹی کے چانسلر ہیں سرکار کی جانب سے پینتیس[۳۵] ہزار کا عطیہ مرحمت فرمایا جانا مناسب ہے۔ اسی طرح انجمنِ حمایت اسلام لاہور کے جوبلی کے موقع پر پچیس[۲۵] ہزار کا عطیہ سرکار عالی کی جانب سے مرحمت ہونا مناسب ہے۔ انجمن مذکور کو حسبِ ارشادِ سلطانی اطلاع دی جائے گی کہ بعض وجوہ سے برادران والاشان انجمن کی جوبلی کے موقع پر شریک نہیں ہوسکتے جس کا افسوس ہے"۔

مندرجہ بالا قرارداد پر بعد "ملاحظہ" آصفِ سابع نے یہ حکم جاری کیا۔ "بنارس یونیورسٹی اور انجمنِ حمایتِ اسلام لاہور دونوں کو تیس تیس ہزار کلدار کا عطیہ دیا جائے تاکہ ہر دو کے عطیہ کی رقم مساوی ہو ورنہ پبلک کا اعتراض ہوگا"۔ آصفِ سابع کے اس حکم کی اطلاع دفتر پیشی سے کاظم یار جنگ نے ایک مراسلہ مورخہ ۲۹ شوال ۱۳۵۷ م ۲۲ ڈسمبر ۱۹۳۸ء کے ذریعہ بابِ حکومت کو روانہ کی۔ بنارس یونیورسٹی کو تیس ہزار روپیہ کلدار عطیہ دینے کے بارے میں آصف سابع کا حکم جاری ہونے کے فوری بعد مہاراجہ بیکانیر ہز ہائی نس گنگا سنگھ نے جو بنارس یونیورسٹی کے چانسلر بھی تھے تحریری طور پر نمائندگی کی کہ بنارس یونیورسٹی کے لیے ایک بڑا عطیہ منظور کیا جائے۔ انھوں نے بنارس یونیورسٹی کی امداد کے سلسلے میں ڈسمبر ۱۹۳۸ء میں آصف سابع کو جو مکتوب لکھا تھا اس کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:

میں ایک طویل عرصے سے ہز اگزالٹیڈ ہائی نس سے بنارس ہندو یونیورسٹی کے بارے میں گفتگو کرنے اور اس عظیم قومی ادارہ کی سرپرستی اور مدد کے لیے درخواست کرنے کا خواہش مند رہا ہوا، لیکن مجھے اس بات کا ملال ہے کہ کام کی زیادتی کی وجہ سے میں پہلے ایسا نہ کرسکا۔ میں کتاب "بنارس ہندو یونیورسٹی ۱۹۰۵ء۔ ۱۹۳۵ء" کا ایک نسخہ روانہ کر رہا ہوں

جسکے ذریعہ ہزاگزالٹیڈ ہائینس کو اس بات کا اندازہ ہوگا کہ اس مدت کے دوران اس یونیورسٹی نے کیا کچھ کیا ہے۔ میں یونیورسٹی کے قیام سے اس کے ساتھ ہوں اور اس کی غیر معمولی ترقی اور ہمہ جہتی فروغ کو غیر معمولی شکر گزار جذبہ کے ساتھ دیکھتا ہوں۔ یہ یونیورسٹی ایک کل ہند ادارہ ہے۔ اس کا اسٹاف اور طلبہ ہندوستان کے تقریباً تمام حصوں بشمول ہندوستانی ریاستوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ ہزاگزالٹیڈ ہائی نس کو یہ جان کر مسرت ہوگی کہ دیسی ریاستوں کے کئی حکمرانوں نے بنارس ہندو یونیورسٹی کی سرپرستی اور مدد کی ہے۔ یونیورسٹی کو پچاس لاکھ روپے کی فوری ضرورت ہے۔ اسے امپیریل بنک آف انڈیا کا تقریبا تیرہ لاکھ روپے کا قرض ادا کرنا ہے۔ یونیورسٹی کو اپنی سالانہ آمدنی میں ایک لاکھ روپے کا جو خسارہ ہوتا ہے اسے اس کی بھی پابجائی کرنی پڑتی ہے۔ یونیورسٹی میں انجینئرنگ کالج، آیورویدک کالج اور مزید چار ہاسٹل تعمیر کرنے، زراعتی انسٹی ٹیوٹ اور انجینئرنگ ورکشاپ کو ترقی دینے، کامرس کی فیکلٹی قائم کرنے اور ہاسپٹل کو توسیع دینے کا پروگرام ہے۔ ان کاموں اور دوسرے ضروری امور کی تکمیل کے لیے کم از کم ۵۰ لاکھ روپے کی رقم اکٹھا کرنے کی ضرورت ہے۔ آخر میں انھوں نے درخواست کی کہ آصف سابع ایک شاندار عطیہ دے کر یونیورسٹی کی مدد فرمائیں۔

بنارس یونیورسٹی کو تیس ہزار روپیہ کی امداد منظور کی جاچکی تھی اور بعدازاں آصف سابع اس امداد میں اضافہ کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ چناں چہ ان کا حسب ذیل حکم کاظم یار جنگ نے ایک مراسلہ مورخہ ۵ رذی قعدہ ۱۳۵۷ھ م ۲۸ رڈسمبر ۱۹۳۸ء کے ذریعہ باب حکومت کو روانہ کیا

"بنارس یونیورسٹی کے لیے جو کچھ امداد حال میں منظور ہوئی ہے اس کی اطلاع صیغہ متعلقہ سے بنارس یونیورسٹی کو دے دی جائے۔ ہز ہائی نس کے خط کے جواب میں جو کچھ کہنا ہے مہاراجہ آئے بعد بالمشافہ پریسیڈنٹ کونسل کہہ دے سکتے ہیں کہ جو کچھ امداد دی گئی ہے اس سے زاید ممکن نہیں ہے کہ خود ہمارے یہاں بہت سے رفاہ عام کے کاموں کے لیے رقم کی ضرورت ہے۔"

مہاراجہ بیکانیر کے خط کے باوجود جب آصف سابع نے یہ حکم جاری کردیا کہ بنارس یونیورسٹی کو تیس ہزار روپیہ سے زائد امداد دینا ممکن نہیں ہے تو باب حکومت نے اس کارروائی پر اپنے اجلاس

منعقدہ ۲۵ بہمن ۱۳۴۸ف م ۳ ڈسمبر ۱۹۳۸ء میں مکرر غور کیا اور حسب ذیل اہم قرارداد منظور کی جس میں بنارس یونیورسٹی کو ایک لاکھ روپیہ کلدار کا عطیہ دینے کی سفارش کی گئی۔

"بارگاہ خداوندی میں باادب عرض کیا جائے کہ جس وقت کونسل (باب حکومت) نے بنارس یونیورسٹی کو پینتیس ہزار روپیہ امداد دینے کی سفارش عرض کی تھی اس وقت کونسل کو ان واقعات کا پورا علم نہیں تھا جواب حاصل ہوا ہے۔ بنارس یونیورسٹی کو مہاراجگان جے پور وغیرہ نے کئی کئی لاکھ یکمشت عطیہ دیا ہے اور سالانہ رقم اس کے علاوہ دیتے ہیں۔ رام پور نے جو ایک چھوٹی ریاست ہے ایک لاکھ کا عطیہ دیا ہے اور چھ ہزار سالانہ دیتی ہے۔ بنارس یونیورسٹی کی وہی حیثیت ہندوستان میں ہے جو علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کی ہے اور حقیقی معنوں میں ہندوؤں کی ہی یونیورسٹی ہے گو اس میں بہت سے مسلم طلبہ بھی تعلیم پاتے ہیں۔ بحالت معروضہ بالا باادب یہ عرض کی جرأت کی جاتی ہے کہ جو امداد اس یونیورسٹی کو دی جائے اور خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ ہز ہائی نس مہاراجہ صاحب بیکانیر چانسلر کی سی بااثر ہستی نے استدعا کی ہے تو وہ اس ریاست ابد مدت کے جو ہندوستان کی سب سے بڑی ریاست ہے شایان شان ہونی چاہیے۔ لہذا کونسل کا یہ معروضہ ہے کہ ایک لاکھ کلدار کا عطیہ یونیورسٹی کو دیا جائے۔ اس کی ادائی زائد از موازنہ ہوگی۔ اگر بندگان اقدس واعلیٰ پسند فرمائیں تو جس وقت مہاراجہ بیکانیر یہاں آئیں تو حضرت اقدس واعلیٰ خود ان سے اس عطیہ کا ارشاد فرمائیں"۔

صدر اعظم سر اکبر حیدری نے اس کارروائی کی تمام تفصیلات اور باب حکومت کے مکرر اجلاس میں منظورہ قرارداد کو ایک یادداشت مورخہ ۱۳ ذی قعدہ ۱۳۵۷ھ م ۵ جنوری ۱۹۳۹ء میں درج کر کے آصف سابع کے ملاحظہ کے لیے روانہ کی۔ کونسل کی قرارداد کو منظوری حاصل ہوئی اور اس سلسلے میں آصف سابع کا حسب ذیل فرمان مورخہ ۱۵ ذی قعدہ ۱۳۵۷ھ جاری ہوا۔

"بہ لحاظ واقعات معروضہ عرضداشت کونسل کی رائے کے مطابق ہماری گورنمنٹ کی جانب سے بنارس ہندو یونیورسٹی کے لیے ایک لاکھ روپیہ کلدار کا عطیہ منظور کیا جائے۔ اس

کی اطلاع پریسیڈنٹ کونسل بالمشافہ مہاراجہ بیکانیر کو دے دیں تو کافی ہے جس وقت وہ یہاں آجائیں۔

ابتدا میں آصفِ سابع نے بنارس ہندو یونیورسٹی کے لیے تیس ہزار روپیہ کلدار کا عطیہ منظور کیا تھا۔ اس عطیہ کی منظوری کے فوری بعد فراخ دلانہ عطیہ منظور کرنے کے لیے مہاراجہ بیکانیر چانسلر بنارس یونیورسٹی کا مکتوب وصول ہوا تھا لیکن آصفِ سابع اپنے سابقہ فیصلہ پر قائم رہے اور انھوں نے اس پر نظرِ ثانی کرنے سے انکار کر دیا لیکن جب بابِ حکومت نے اپنی مکرر عرضداشت میں اس کارروائی کے سلسلے میں تفصیلی کیفیت لکھتے ہوئے ایک لاکھ روپیہ کلدار کی منظوری صادر کرنے کی سفارش کی تو آصفِ سابع نے بلا تامّل اس سفارش کو منظور کر لیا جو اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ آصف سابع اپنے مشیروں کے مناسب اور صحیح مشوروں کو قبول کرنے میں پس و پیش نہیں کرتے تھے۔ وہ ہمیشہ اپنی بات اور فیصلہ پر اڑے اور اٹل رہنے کی بجائے صحیح واقعات کے سامنے آنے پر لچک دار رویّہ اپناتے ہوئے اپنے سابقہ فیصلہ پر نظرِ ثانی کرنے کے لیے تیار ہو جاتے تھے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ امداد کے سلسلے میں وہ کوئی تحفّظِ ذہنی نہیں رکھتے تھے۔

ماخذ مضمون

Instalment No.84, List No.5, Serial No.434

مقدّمہ۔ عطائے رقم مساوی (۳۰۰۰۰ ۔ ۱۰۰۰۰۰) برائے امداد بنارس ہندو یونیورسٹی و انجمن حمایت اسلام لاہور و عطائے ایک لاکھ روپیہ کلدار بہ بنارس ہندو یونیورسٹی۔



فرمان

ملاحظہ :- عرضداشت صیغہ تعلیمات معروضہ ۱۳۔ ذیقعدۃ الحرام ۱۳۵۷ھ جو بنارس یونیورسٹی کی امداد کے نسبت مہاراجہ بیکانیر کی استدعاء کے متعلق ہے۔

حکم :- بلحاظ واقعات مصرحۂ عرضداشت کونسل کی رائے کے مطابق ہماری گورنمنٹ کی جانب سے بنارس ہندو یونیورسٹی کے لئے ایک لاکھ روپیہ کلدار کا عطیہ منظور کیا جائے۔ اسکی اطلاع پریسیڈنٹ کونسل بالمشافہ مہاراجہ بیکانیر کو دیدیں تو کافی ہے جسوقت وہ یہاں آجائیں۔

۱۵۔ ذیقعدۃ الحرام ۱۳۵۷ھ

ریاستِ حیدرآباد میں مذہبی رواداری

آصف جاہی حکمرانوں خاص کر آصفِ سادس میر محبوب علی خان اور سلطنتِ آصفیہ کے آخری تاج دار نواب میر عثمان علی خاں کے دور کی رواداری مشہور ہے آصفِ سابع کہتے تھے کہ ہندو اور مسلمان میری دو آنکھیں ہیں۔ ایسا کہنا صرف رسمی بات نہ تھا اور نہ ہی مصلحت اور دکھاوا تھا۔ اس دور میں غیر مسلم عالموں، غیر مسلم مذہبی شخصیتوں اور غیر مسلم مذہبی مقامات کے خدمت گزاروں کو اعزاز عطا کیے جاتے اور امداد و اعانت جاری کی جاتی تھی۔ غیر مسلم عبادت گاہوں اور اداروں کے لیے جی کھول کر مالی امداد دی جاتی تھی۔ ان عبادت گاہوں اور اداروں کے لیے نقد معاش مقرر تھی اور اراضیات مختص کر دی گئی تھیں۔ یہی نہیں بلکہ بیرونِ ریاست کی غیر مسلم عبادت گاہوں کے لیے بھی معاش جاری کی گئی تھی۔ آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز کے ریکارڈ میں اس رواداری اور منصف مزاجی کے ناقابلِ تردید دستاویزی ثبوت موجود ہیں۔ اس مضمون میں ان دستاویزات کی مدد اور حوالہ سے آصفِ سابع کے عہد اور دورِ ماقبل کی امداد و اعانت سے متعلق کارروائیوں کی تفصیلات پیش کی جا رہی ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس معاملے میں تنگ دلی اور تحفظِ ذہنی سے کام نہیں لیا گیا بلکہ سیکولر اندازِ فکر اور طریقۂ کار اختیار کیا گیا تھا۔

آصفِ سادس نواب میر محبوب علی خاں کے عہد میں ایک مذہبی عالم پنڈت دین دیال چند مذہبی وعظ دینے کی غرض سے حیدرآباد تشریف لائے تھے۔ ریاستِ حیدرآباد کی روایات کے مطابق مدارالمہام مہاراجہ کشن پرشاد ریاست کی جانب سے پنڈت جی کی عزّت افزائی کے خواہش مند تھے۔ چناں چہ مہاراجہ نے حسبِ ذیل معروضہ مورخہ ۱۲ر رجب ۱۳۲۱ھ م ۴ر اکتوبر ۱۹۰۳ء آصف سادس کی خدمت میں روانہ کیا۔

"پنڈت دین دیال ایک عالم شخص ہیں۔ ہندوؤں کے مذہبی مضامین پر لکچر دینے میں کمال رکھتے ہیں۔ پہلے بھی کئی سال قبل شہر حیدرآباد آئے ہوئے تھے۔ عام طور پر یہاں پر مختلف اقوامِ ہنود نے ان کی بڑی آؤ بھگت کی تھی۔ اب بھی یہ آئے ہوئے ہیں اور اکثر جگہ ان کے لکچر ہوئے ہیں۔ اب قریب میں یہ جانے والے ہیں۔ چوں کہ سرکار کی ریاست سے اکثر علما و فضلا کو بلا رعایتِ مذہب و ملّت بوقت رخصت ان کی عزّت افزائی کی جاتی ہے اگر اجازت ہو تو پانسو روپیہ مدِ خیرات و مبرّات سے انھیں ایک دوشالہ دے کر رخصت کیا جائے تاکہ اس میں نیک نامی خداوند نعمت کی ہے اور سرکار کی پالیسی جو صلحِ کل ہے اور جس کو دنیا مان گئی ہے اس کی برکتیں خالی نہ جائیں گی۔ آئندہ جو حکم ہو۔" آصفِ سادس نے مہاراجہ کا معروضہ قبول کرتے ہوئے پنڈت جی کو دوشالہ دیے جانے کے لیے حسبِ ذیل احکام مورخہ ۹ر اکتوبر ۱۹۰۳ء صادر کیے۔

"آپ کی رائے معروضہ ۱۲ر رجب المرجب کے مطابق مدِ خیرات میرات سے پانچ سو روپیہ کا دوشالہ پنڈت دین دیال صاحب کو دیا جائے۔"

آصفِ سادس نواب میر محبوب علی خاں کا ۴ر رمضان ۱۳۲۹ھ م ۲۹ر اگسٹ ۱۹۱۱ء کو انتقال ہوا اور اسی تاریخ کو نواب میر عثمان علی خاں کے سریر آرائے دکن ہونے کی منادی کرادی گئی۔ ۶ر رمضان کو آصفِ سادس کی تعزیت کا اور ۷ر رمضان ۱۳۲۹ھ م یکم سپٹمبر ۱۹۱۱ء م ۲۵ر مہر ۱۳۲۰ف کو آصفِ سابع کے جلوس یا تخت نشینی کا دربار منعقد ہوا۔ آصفِ سابع کی تخت نشینی کی مسرّت کے موقع پر مختلف مذہبوں اور فرقوں

سے تعلق رکھنے والوں نے والیٔ ریاست سے عنایت و فضل و کرم کے لیے معروضے پیش کیے ہوں گے اور یقیناً بہتوں کو انعام و اکرام سے نوازا گیا ہوگا۔ آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز کے محفوظ ریکارڈ میں پنڈت جگت پرشاد، ماروتی راؤ پنڈت اور رام بلاس منجم کے معروضے ہم دست ہوئے ہیں جن پر آصف سابع نے علی الترتیب دو روپیہ اور ایک ایک روپیہ یومیہ تاریخ تخت نشینی سے جاری کرنے کے احکام بقلمِ خود تحریر کیے تھے۔ آصفِ سابع کے ان احکام کی تعمیل میں ان حضرات کو دو روپیہ اور ایک ایک روپیہ مدد معاش بہ تقریبِ تخت نشینی بتاریخ ۲۵ ر مہر ۱۳۲۰ ف (تاریخ تخت نشینی آصفِ سابع) سے جاری کرنے کے سلسلہ میں سندیں جاری کی گئیں۔ یہ اصل سندیں آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز میں محفوظ ہیں۔

آصف سابع کی تخت نشینی کے کچھ ہی عرصہ بعد ایک ممتاز مذہبی رہنما گرو سوامی دانا مامل ۱۳۳۲ھ میں حیدرآباد تشریف لائے تھے۔ حیدرآباد میں ان کی آمد اور ان کے ہمراہ آنے والوں کے اخراجات ادا کرنے اور سوامی جی کو اعزاز دینے کے سلسلہ میں آصف سابع کا فرمان مورخہ ۳۰ ر محرم ۱۳۳۱ھ م ۲۹ ر دسمبر ۱۹۱۳ء صادر ہوا تھا چناں چہ اس فرمان کی تعمیل میں سوامی جی کے ساتھ آنے والوں کے اخراجات کے لیے چھ سو روپیہ اور خود گرو سوامی کے لیے ایک دوشالہ اور پانچ مہر اشرفی کی خلعت دی گئی تھی۔ اس کے علاوہ ان کے خیر مقدم کی غرض سے جمعیت، باجہ اور ہاتھی بھیجے گئے تھے۔

گرو سوامی دانا مامل کے دورۂ حیدرآباد کے تقریباً ایک سال بعد رزیڈنٹ حیدرآباد نے اپنے ایک مراسلہ مورخہ ۱۵ ر جنوری ۱۹۱۵ء کے ذریعہ یہ اطلاع دی تھی کہ سوامی پرتیھواتی بھانیکر مٹ کنچی ۲۰ ر جنوری ۱۹۱۵ء کو حیدرآباد پہنچ رہے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ انھوں نے یہ بھی تحریر کیا تھا کہ ان کے مرتبہ کے مطابق ان کی پیشوائی اور اعزاز کا انتظام کیا جائے بشرطیکہ وہ ایسے اعزاز کے مستحق ہوں۔ اس مراسلہ کے وصول ہونے پر حکومت ریاست حیدرآباد کی جانب سے ضروری اقدامات کیے گئے۔ چناں چہ فریدوں جنگ بہادر کی ایما پر پولٹیکل

سکریٹری کے دفتر سے معتمد عدالت وکوتوالی وامور عامّہ کو اس بارے میں ضروری کارروائی کرنے کے لیے لکھا گیا۔ نیز یہ رائے دی گئی کہ راجہ شیوراج دھرم ونت بہادر کو لکھ کر سوامی جی کی پیشوائی کے لیے راجہ صاحب کے خاندان کے دو افراد روانہ کیے جائیں تو مناسب ہوگا چناں چہ معتمد عدالت وکوتوالی وامور عامّہ نے اس بارے میں کوتوال بلدہ اور راجہ دھرم ونت بہادر کو لکھا اور حکومتِ ریاستِ حیدرآباد کی جانب سے سوامی جی کی پیشوائی وغیرہ کے متعلق جو انتظامات کیے گئے تھے۔ اس کی اطلاع رزیڈنسی کو بھی دے دی گئی۔

فریدوں جنگ بہادر نے ایک عرضداشت مورخہ ۲۱ ربیع الثّانی ۱۳۳۳ھ م ۸ مارچ ۱۹۱۵ء میں سوامی پرتھیواتی بھانیکر مٹ کنجی کے دورۂ حیدرآباد کے بارے میں مذکورہ بالا تفصیلات درج کرتے ہوئے یہ تحریر کیا کہ سوامی جی کے ایک ایجنٹ نرسماچاری یار نے سوامی جی کی جانب سے ایک درخواست حکومت حیدرآباد کو روانہ کی ہے جس میں یہ استدعا کی گئی ہے کہ سوامی پرتھیواتی بھانیکر مٹ کنجی، گروسوامی داناما مل کے ہم مرتبت ہیں لہٰذا ان کو حکومت حیدرآباد کی جانب سے وہی مراعات دی جائیں جو کہ گروسوامی داناما مل کو دی گئی تھیں اس پر فریدوں جنگ بہادر نے آصفِ سابع کے متذکرہ بالا فرمان کے حوالہ سے گروسوامی کو دی گئیں مراعات کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے لکھا کہ سوامی پرتھیواتی بھانیکر مٹ کنجی کے لیے مدبا ورچی خانہ متعلقہ پرائیوٹ سکریٹری سے پانچ سو روپیہ بطور رخصتانہ اور توشک خانہ سے پچاس روپیہ کا دوشالہ بطور خلعت منظور فرمایا جائے تو ان کی سرفرازی کا باعث ہوگا۔ فریدوں جنگ بہادر کی پیش کردہ سفارش کو منظوری حاصل ہوئی اور اس بارے میں آصفِ سابع کا حسبِ ذیل حکم مورخہ ۲۱ ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ م ۸ مارچ ۱۹۱۵ء صادر ہوا۔

"فریدوں جنگ بہادر کی رائے کے مطابق سوامی موصوف کو مدبا ورچی خانہ (متعلقہ پرائیوٹ سکریٹری) سے پانچ سو روپے بطور رخصتانہ اور توشک خانہ سے پچاس روپیہ کا دوشالہ بطور خلعت دینے کی منظوری دی جاتی ہے۔"

ریاست حیدر آباد کی جانب سے منادر کو مقررہ معاش کے علاوہ ان کے پجاریوں کو بھی پرورش کی غرض سے ماہانہ رقمی مدد دی جاتی تھی ۔ کسی پجاری کے فوت ہوجانے پر اس کے پسماندگان کے نام ماہوار رقمی امداد جاری کردی جاتی تھی ۔ ذیل کی کارروائی سے اس بیان کی وضاحت ہوتی ہے ۔

جب دیول سیتا رام باغ کے پجاری پنڈت رام بلاس فوت ہوئے تو ان کے پسماندگان کی پرورش کی نسبت ایک عرضداشت مورخہ ۳۰ ر ذی قعدہ ۱۳۵۷ھ م ۲۲ر جنوری ۱۹۳۹ء صیغہ امور مذہبی کی جانب سے آصفِ سابع کی خدمت میں پیش کی گئی تو آصف سابع نے پنڈت رام بلاس متوفی کے فرزند کے نام بیس روپیہ ماہوار جاری کرنے کی منظوری عطا کی ۔ اس سلسلہ میں آصفِ سابع کا جو فرمان مورخہ ۵ ر ربیع الثانی ۱۳۵۸ھ م ۲۵ ر مئی ۱۹۳۹ء صادر ہوا تھا اس کا متن درجِ ذیل ہے :

"صدر اعظم کی رائے کے مطابق پوجاری متوفی کے فرزند جے بھگوان داس کے نام بیس روپیہ ماہوار تاحیات اجرا کی جائے ۔"

مندرجۂ بالا مثالیں علاحدہ علاحدہ انفرادی معاملات کو ظاہر کرتی ہیں ۔ اس تعلق سے ریاست کی مجموعی صورتِ حال کا اندازہ لگانے کے لیے ریاست میں پائی جانے والی صورتِ حال سے واقفیت ضروری معلوم ہوتی ہے ۔ آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز کے ریکارڈ سے اس سلسلہ میں جو اعداد و شمار میں نے اخذ کیے ہیں وہ سلطنتِ آصفیہ کی رواداری اور منصف مزاجی ہی کا نہیں بلکہ فیاضی کی شہادت اور ثبوت کا درجہ رکھتے ہیں ۔ یہ اعداد و شمار درجِ ذیل ہیں جو اگسٹ ۱۹۴۸ء (آصف جاہی اقتدار کے خاتمہ سے تقریباً ایک ماہ قبل) کے دور کا احاطہ کرتے ہیں ۔

ریاست حیدر آباد سے منادر کے لیے ۵ لاکھ پینتالیس ہزار تین سو چونتیس روپے اراضیِ معاش کی صورت میں مقرر تھے ۔ یہ اراضی مندروں کو جاگیر یا انعام کی شکل میں دی گئی تھی ۔ اس کے علاوہ مندروں کو انہتّر ہزار نو سو پچپن روپے کی رقم

نقدی معاش کی صورت میں دی جاتی تھی۔ ریاست کے جن خاص مندر کے لیے معاشیں جاری تھیں ان میں دیول یادگار پلی تعلقہ بھونگیر، مہٹہ بالکد ابن، دیول سکھر واقع ماہوار (ضلع عادل آباد) دیول سیتا رام باغ اور دیول جام سنگھ کے نام قابلِ ذکر ہیں جنھیں علی الترتیب بیاسی ہزار آٹھ سو پچیس روپیہ، ساٹھ ہزار روپیہ، ساٹھ ہزار روپیہ، پچاس ہزار روپیہ اور دس ہزار روپیہ کی معاشیں جاری تھیں۔ اس کے علاوہ دیول بھدراچلم کو انیس ہزار روپیہ اور بیرونِ ریاست کے مندر، دیول سری بالاجی تروپتی کے لیے آٹھ ہزار روپے کی معاشیں بحال تھیں نیز ریاستِ حیدرآباد میں مسلمانوں کی مذہبی خدمات کی انجام دہی کے لیے ۱۰۶ معاشیں غیر مسلموں کے نام بحال تھیں۔ یہ مشروط الخدمت معاشیں نقدی یا اراضی کی صورت میں مقرر تھیں جو مسجدوں، درگاہوں اور عاشور خانوں کی خدمات یا تعزیہ داری اور استادگیِ علم کے سلسلہ میں جاری کی گئی تھیں۔

ماخذ

(۱) Instalment No.77, List No.3, Serial No.224

مقدمہ۔ عطائے پنج صد روپیہ از مدِ خیرات بہ پنڈت دین دیال صاحب

(۲) Instalment No.79, List No.3, Serial No.800

مقدمہ۔ سوامی پرتھیواتی بھانیکرمٹ کنچی کو خلعت و رخصتانہ دینے کی نسبت

(۳) نشانِ مثل $\frac{۱}{۸۶}$ مذہبی نشانِ محافظی $\frac{۱۹}{۸۶}$ ۵۸ ف

مقدمہ۔ دربارہ ترسیل مواد اہلِ ہنود معاش وغیرہ

خاص

مسوده نمره ۱

برای اطلاع جمع عهده داران و کاربرداران امور کارخانجات عالی نوشته می‌شود که مبلغ ... محمود لومه

در وجه ... سنه جلوس میمنت مانوس تمام ... بموجب سواد دستخطی از ابتدای

۲۰ ... ماهی ... ۳۰ ... معین کرده‌اند که وجه مزبور را از ابتدای تاریخ مزبوره موقع ... سال ... قبض الوصول

... موافق ... امر کارخانه ... باشند ... که وجه مذکور صرف مایحتاج خود نموده

... بدعای دوام دولت ابد مدت مشغول و متوقع باشند و در این باب ... المسطور

بعمل آرند

محمود لومه

صح سود سند مهر خاص

برای اطلاع جمیع عمال و اولیای کاربرداران همه کارهای عالی لو عشق و کبیره ملک محروسه لوره در ده جبه
مدد معاش شش نفر بر جلوس میمنت مانوس بنام مارونی را و بندیه موجب الدخلی ارابیدی ۴۵
هر ماه آلتی ۲ سنه فیه لعرایه که محمولوره مذکور از ابتدای تاریخ مرلوره بسوی اکه رسانند
فیه الوصول معتبر موافق صلاح الله سرکار میگرفته باشند رشیلوره دار اکنه وجهه مرلوره بالحاج حودو نمود
شب و روز به دعای دوام دولت ابد مدت مشغول و موظف باشند بمباکید دانسته در عهده الخیر المسطور
بعمل آرند

علیه محمد لویه

پولیٹیکل ڈپارٹمنٹ

کنگ کوٹھی

حکم

خلاصہ :- عرضداشت پولیٹیکل ڈپارٹمنٹ مورخہ ۱۸ ربیع الثانی شریف ۱۳۶۳ھ جسمیں مولوی ... لیاقت‌جنگ
مستحقی کو رخصتانہ اور خلعت دینے کی سفارش ہے۔

حکم :- فرزند دلبند جنگ بہادر کی اردلی میں ملازم مولوی موصوف کو ماہوار ... (متعلقہ پرائیوٹ سکریٹری) سے پانچسو روپیہ
بطور رخصتانہ اور توشکخانہ سے پچاس روپیہ کا دوشالہ بطور خلعت دینے کی منظوری دیجاتی ہے۔ (اثر منتخبہ بارگاہ الخسروی)

۱۶ ربیع الثانی شریف ۱۳۶۳ھ - دوشنبہ

(اثر مبارک) مولوی احمد حسین صاحب

فرمان

ملاحظہ: عرضداشت صیغۂ امور مذہبی معروضہ ۲۰ ذیقعدۃ الحرام ۱۳۵۷ھ آجودیول سیتارام باغ کے پوجاری پنڈت رام بلاس متوفی کے پسماندوں کی پرورش کی نسبت ہے۔

حکم: صدر اعظم کی رائے کے مطابق پوجاری متوفی کے فرزند جے بھگوان کے نام بیس روپیہ (عـــہ) ماہوار تا حیات اجرا کی جائے۔

۵- ربیع الثانی شریف ۱۳۵۸ھ

حکیم سید شمس اللہ قادری کی قدر افزائی

سابق ریاستِ حیدرآباد میں بیرونی مشاہیرِ علم و ادب کی سرپرستی و قدر افزائی کے بارے میں ابتدا ہی سے یہ تاثر پایا جاتا ہے کہ اس ریاست میں جہاں بیرونی شخصیتوں کی بڑی آؤ بھگت ہوئی، حیدرآباد کی علمی و ادبی شخصیتوں کو نظر انداز کیا گیا حالاں کہ حیدرآباد کی یہ شخصیتیں بھی قدردانی اور سرپرستی کی مستحق تھیں۔ راقم الحروف کے جو چند مضامین بیرونی مشاہیرِ علم و ادب کی سابق ریاست حیدرآباد میں سرپرستی اور انھیں امداد و اعزاز سے نوازنے کے تعلق سے شائع ہوئے ہیں ان مضامین کے مطالعہ کے بعد بھی بعض احباب نے متذکرہ بالا تاثر کا اعادہ کیا اور استفسار کیا کہ کیا حیدرآباد میں ایسی شخصیتوں کا قحط تھا۔ یہ سوال بھی یقیناً ذہنوں میں ابھرتا ہوگا کہ کہیں یہ ساری قدردانی اور سرپرستی نظم و نسق کے اہم عہدوں پر فائز بیرون حیدرآباد کی شخصیتوں کے علاقائی تعصّب کا پھل تو نہ تھی۔ دوسری طرف مقامی شخصیتوں کی حق تلفی اہم ترین عہدوں پر فائز ان بڑی شخصیتوں کے تحفظاتِ ذہنی کا نتیجہ تو نہیں تھی۔ اس بحث میں الجھے بغیر جو بات صاف اور واضح ہے اور جس کے بارے میں دو رائیں نہیں ہونی چاہئیں یہ ہے کہ جن بیرونی شخصیوں پر عنایات و مہربانیاں ہوئیں ان میں داغ دہلوی، شبلی نعمانی، سلیمان ندوی، عبدالماجد دریابادی، عبدالحلیم شرر، ہادی رسوا، ظفر علی خاں، جوش ملیح آبادی، فانی بدایونی اور حفیظ جالندھری شامل ہیں۔ اس فہرست میں بہت سے اہم

بیرونی مشاہیر کے نام شامل نہیں ہیں۔ میں نے صرف ان ہی بیرونی مشاہیر کے نام گنائے ہیں جن پر میں نے مضامین قلمبند کیے ہیں) یہ ایسی قدآور شخصیتیں ہیں جنھیں کسی خاص علاقے تک محدود نہیں کیا جاسکتا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ شخصیتیں نہ صرف غیر منقسم برِّ صغیر ہندوستان بلکہ ساری اُردو دنیا کے لیے سرمایۂ ناز اور قابلِ فخر اثاثے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ حیدرآباد میں ان کی ہم عصر شخصیتوں میں اس پایہ کی شخصیتیں موجود نہیں تھیں یہاں حیدرآبادی شخصیتوں اور بیرونِ حیدرآباد کی شخصیتوں کا تقابل مقصود نہیں ہے۔ حیدرآباد میں ایسی شخصیتیں کیوں ابھر نہیں سکی تھیں، یہ ایک علاحدہ موضوع ہے اور اس کے مختلف تاریخی سیاسی اور تہذیبی اسباب ہیں۔ حیدرآباد کا تاریخی سیاسی اور تہذیبی تناظر بلاشبہ مختلف رہا ہے۔ لیکن اس بات سے گردن نیچی نہیں ہونی چاہیے بلکہ سر اونچا کر کے بیانگ دہل یہ کہا جاسکتا ہے کہ حیدرآباد نے غیر منقسم برصغیر کے مختلف علاقوں سے گلہائے رنگا رنگ کو چن چن کر جو گلدستہ تیار کیا اس سے سارا چمنِ اردو مہکتا رہا اور اب تک بھی مہک رہا ہے۔ یہ چمنِ اُردو دراصل اردو دنیا اور اردو دنیا کے علم و تہذیب و فن بشمول شعر و ادب سب کا احاطہ کرتا ہے۔ اس حقیقت کے قطعِ نظر سابق ریاست حیدرآباد میں اس زمانے کی اصطلاح "ملکی" کے مطابق ملکی یعنی مقامی یا حیدرآبادی شخصیتوں کی قدردانی اور سرپرستی کی مثالیں بھی موجود ہیں لیکن کسی مقامی شخص کی قدردانی کے بارے میں تفصیلات بیان کرنے سے پہلے ملکی یا حیدرآبادی شخصیتوں کے تعلق سے اپنے چند تاثرات بھی ضبطِ تحریر میں لانا ضروری سمجھتا ہوں تاکہ کسی غلط فہمی کی کوئی گنجائش نہ رہے۔ یہ امر فطری ہے کہ سابق ریاستِ حیدرآباد میں جو شخصیتیں نظم و نسق کے بڑے عہدوں پر فائز تھیں انھوں نے اپنے اثر و رسوخ کو استعمال کر کے دوسری اہم شخصیتوں کے یہاں قدم جمانے میں مدد کی۔ ایسا انھوں نے نیک نیتی کی بنا پر بھی کیا اور اقربا پروری کے جذبے کے تحت بھی کیا۔ ان بڑی شخصیتوں نے اپنے سے بھی بڑی، ہم رتبہ اور دوسری اہم بیرونی شخصیتوں کی سفارشوں کی بنا پر بھی ان کے بھیجے ہوئے افراد کے لیے یہاں حالات کو سازگار بنایا۔

علاوہ ازیں اس سلسلہ میں گہری اور مکمّل شخصی واقفیت اور ہم آہنگی بھی بڑی اہمیت رکھتی ہے جس کے تحت فطری طور پر ترجیحات کا تعیّن کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اس کی وجہ سے اکثر مساوی استعداد رکھنے والی اور کبھی کبھی برتر استعداد رکھنے والی شخصیتوں کو شکایت پیدا ہوجاتی تھی کہ ان کی حق تلفی ہوئی اور ان کے ساتھ ناانصافی کی گئی۔ ان تمام باتوں کے علاوہ یہ بات بھی اپنی جگہ کافی وزن رکھتی ہے کہ بیرونِ حیدرآباد کی شخصیتوں کے مقابلے میں حیدرآباد کی شخصیتوں نے مالی امداد اور سرپرستی حاصل کرنے کیلیے سخت جدوجہد نہیں کی اس کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اس زمانے میں سینکڑوں میل کا فاصلہ طے کرکے جو لوگ حیدرآباد چلے آتے تھے وہ اس بات کا اطمینان کرلیتے تھے کہ انھیں مایوسی نہ ہو اور انھیں ناکام و نامراد لوٹنا نہ پڑے۔ جبکہ مقامی لوگ ایسے معاملات میں فطری طور پر اتنے سنجیدہ نہیں ہوسکتے۔

اس بحث کو ختم کرنے سے پہلے میں یہ واضح کردینا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ سابق ریاستِ حیدرآباد میں بیرونِ ریاست کی شخصیتوں کی سرپرستی میں وقت اور حالات کے تقاضوں کے تحت بتدریج کمی ہوتی رہی کیوں کہ ریاست کی تعمیرِ جدید اور ریاست میں علوم و فنون کی ترقی کے نتیجے میں جن میں جامعہ عثمانیہ کا قیام بڑی اہمیت رکھتا ہے جب خود ریاست کی اپنی باصلاحیت اور اہم شخصیتیں زیادہ تر تعداد میں دستیاب ہونے لگیں تو ان کے لیے ترقّی کے اعلیٰ زینے طے کرنے کے مواقع فراہم کیے گئے اور انھیں ان کا مستحقہ مقام دیا گیا۔ غرض یہ کہ علمی و ادبی سرپرستی کے معاملے میں طلب اور رسد کے قانون پر عمل ہوا جیسا کہ ہر ترقّی پذیر معاشرہ میں ہوتا ہے اور ہونا چاہیے ورنہ تنگ نظری اور تعصّبات اس کی ترقّی کو روک دیتے ہیں۔

ریاست حیدرآباد میں جن مقامی شخصیتوں کی قدر افزائی کی گئی ان میں سے ایک اہم شخصیت حکیم سیّد شمس اللہ قادری کی ہے جنھیں حکومت ریاست حیدرآباد کی جانب سے قابلِ قدر علمی خدمات کے صلے میں ایک بڑی رقم عطیے کے طور پر اور تصانیف کے صلے

میں تاحیات وظیفہ جاری کیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ ان کی کتابوں کی طباعت کے لیے بھی رقمی منظوری دی گئی تھی۔

حکیم سید شمس اللہ قادری، محقق و مورخ کی حیثیت سے بلند پایہ مقام رکھتے تھے۔ فارسی زبان وادب، اردو زبان وادب، تاریخ، آثارِ قدیمہ اور مسکوکات ان کے خاص موضوعات تھے۔ ان موضوعات پر انھوں نے بکثرت مضامین اور مقالے تحریر کیے جن میں سے بیشتر کتابی صورت میں شائع ہوئے۔ اردو زبان کے قدیم دور کو روشناس کرانے کے لیے شمس اللہ قادری نے جو اہم خدمات انجام دیں وہ ناقابلِ فراموش ہیں۔ ان کے مقالے "اردوئے قدیم" کو تحقیق کا بلند کارنامہ مانا گیا۔ وہ ایک سہ ماہی رسالہ "تاریخ" بھی نکالتے تھے۔ اس رسالے کے اکثر مضامین تاریخ پر ہوتے تھے۔ طویل مضامین اقساط میں شائع کیے جاتے تھے۔ اس رسالے میں حکیم صاحب کے علاوہ دیگر مصنّفین کے مضامین بھی شریک اشاعت کیے جاتے تھے۔ ان کے وسیع مطالعے اور ان کی تحقیق و تفتیش کے معیار کا اندازہ اس اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ مولانا سید سلیمان ندوی، مولوی عبدالحق اور پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی جیسی شخصیتیں حکیم صاحب سے مشورہ اور استفادہ کیا کرتی تھیں۔

میر احمد علی نے جامعہ عثمانیہ میں حکیم صاحب پر ایم اے میں جو تحقیقی مقالہ تحریر کیا تھا وہ "شمس المورخین حکیم سید شمس اللہ قادری" کے نام سے کتابی شکل میں شائع ہو چکا ہے۔ اس کتاب میں حکومت کی قدر دانی کے زیرِ عنوان جو معلومات فراہم کی گئی ہیں وہ نامکمل ہیں۔ آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز میں محفوظ ریکارڈ سے استفادہ کرتے ہوئے حکیم صاحب کو دی گئی امداد سے متعلق ساری تفصیلات یہاں درج کی جارہی ہیں۔

حکیم شمس اللہ قادری نے اپنی ادبی و علمی خدمات کے صلے میں وظیفہ اور یکمشت مالی امداد جاری کرنے کے لیے حکومتِ ریاست حیدرآباد کے نام ایک درخواست دی تھی۔ اس میں انھوں نے لکھا کہ تقریباً ربع صدی سے ان کا قلم اور دماغ اہلِ ملک اور ملک کی خدمت میں مصروف ہے، وہ تاریخ، آثارِ قدیمہ، زبانِ اردو کی قدیم تاریخ اور سکہ جات کی تحقیق سے متعلق

قابلِ قدر خدمات انجام دے چکے ہیں جس پر نہ صرف یہ کہ ہندوستان کے مشاہیرِ علم وفضل نے ان کی لیاقتِ علمی کا اعتراف کیا ہے بلکہ رائل ایشاٹک سوسائٹی ہسٹاریکل سوسائٹی اور نومسیمیٹک سوسائٹی نے انھیں اپنی اپنی سوسائٹی کا رکن بنا کر ان کے عالم ہونے کا اعتراف کیا ہے۔ ان کے علمی، ادبی اور تاریخی مضامین نہ صرف یہ کہ کتابی شکل میں شائع ہوئے ہیں بلکہ ان کے مضامین مختلف علمی رسائل میں شائع ہوتے رہتے ہیں جنھیں شوق سے پڑھا جاتا ہے۔ حکیم شمس اللہ قادری نے اپنی (۱۳) کتابوں کے نام تحریر کرتے ہوئے یہ بھی لکھا کہ ان کتب کے علاوہ ترجمہ طبقاتِ اکبری اور تذکرۂ مورّخین کے تقریباً دو سو صفحات کے مسودات تیار ہیں جن کی طباعت کے لیے ان کے پاس سرمایہ نہیں ہے۔ ان تفصیلات کو بیان کرنے کے بعد انھوں نے چار سو روپے ماہانہ وظیفہ جاری کرنے اور دس ہزار روپے یکمشت دینے کی درخواست کی۔ ان کی درخواست پر سر نظامت جنگ سابق صدرالمہام سیاسیات نے حسبِ ذیل سفارش تحریر کی۔

"حکیم شمس اللہ قادری، ان قابلِ قدر علمائے سے ہیں جو اپنی تشہیر کو جائز نہیں سمجھتے لیکن جو کام اب تک انھوں نے کیا ہے وہ غیر معمولی درجے کا ہے اور جو کام وہ کر رہے ہیں اس کو جاری رکھنے کے لیے اگر ان کو سرکاری مدد دی جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ میری رائے میں اگر ان کی تصانیف کو طبع کرانے کے لیے پانچ ہزار روپے اور ان کو بطورِ صلہ پانچ ہزار روپے دیے جائیں تو کچھ زیادہ نہیں ہے۔"

حیدر نواز جنگ بہادر (سر اکبر حیدری) صدرالمہام فینانس نے حکیم شمس اللہ قادری کی درخواست پر محکمہ جات آثارِ قدیمہ اور تعلیمات سے مشورہ کرنے کے بعد یہ رائے دی:

"مولوی شمس اللہ قادری کی تاریخی تحقیقات میں انہماک کا حال اکثر میرے گوش زد ہوتا رہا ہے۔ چناں چہ پہلی مرتبہ مولوی حبیب الدّین نے بیس سال قبل جب کہ سررشتہ آثارِ قدیمہ کا مسئلہ زیرِ غور تھا تو مجھ سے ان کا ذکر کیا تھا۔ حال میں درخواست کے ضمن میں مولوی صاحبِ موصوف کی تصانیف کو دیکھنے کا بھی موقع ملا۔ سر نظامت جنگ بہادر نے ان کے متعلق جو سفارش

فرمائی ہے۔ اس سے مجھے بھی اتفاق ہے۔ میرے خیال میں یکمشت پانچ ہزار کا عطیہ اور جامعہ عثمانیہ کی نگرانی میں سَو روپے کی ماہوار ایک ایسے شخص کے لیے جو واقعی ملکی ہے اور جس نے سچے علم پرست ہونے کا ثبوت اپنے انکسار اور عزلت نشینی سے دیا ہے کچھ زیادہ نہیں ہے۔"

ان سفارشات کے ساتھ یہ کارروائی بابِ حکومت کے اجلاس منعقدہ ۲۸ر اسفندار ۱۳۳۹ف م ۳۰ر جنوری ۱۹۳۰ء میں پیش ہوئی جس میں بالاتفاق طے پایا کہ حکیم سید شمس اللہ قادری کو لائق قدر علمی خدمات کے مدنظر مبلغ پانچ ہزار روپے یکمشت عطیہ اور بطورِ صلہ تصانیف آغاز سنہ رواں فصلی سے ایک سو پچاس روپے دیے جانے سے کونسل متفق ہے۔ نیز قرار پایا کہ حکیم شمس اللہ قادری کی تصانیف کی آئندہ اشاعتوں کے موقع پر مصارف طبع اور اشاعت کے متعلق گورنمنٹ ہمدردانہ سلوک کرے گی۔ یہ بھی طے پایا کہ حکیم صاحب کے علمی کاموں کی جامعہ عثمانیہ کی جانب سے نگرانی کی جائے گی۔ صدر اعظم مہاراجہ سر کشن پرشاد نے ایک یادداشت مورخہ ۳ر فبروری ۱۹۳۰ء میں سید شمس اللہ قادری کی درخواست کا خلاصہ سر نظامت جنگ وحیدر نواز جنگ کی سفارشات اور بابِ حکومت کی متذکرہ بالا قرارداد درج کرتے ہوئے لکھا کہ انھیں بابِ حکومت کی رائے سے اتفاق ہے۔ آصف سابع نواب میر عثمان علی خاں نے کونسل کی رائے کو منظوری دی اور اس سلسلے میں ان کا حسبِ ذیل فرمان مورخہ ۲۱ر شوال ۱۳۴۸ھ م ۲۳ر مارچ صادر ہوا۔

"کونسل کی رائے منظور کی جاتی ہے۔ حسبہٗ حکیم شمس اللہ قادری کو پانچ ہزار روپے یکمشت اور بطورِ صلہ تصانیف یکم آذر ۱۳۳۹ف سے ڈیڑھ سو روپے ماہوار ان کے نام تاحیات اس شرط سے جاری کی جائے کہ ان کے علمی کاموں کی نگرانی جامعہ عثمانیہ کی جانب سے کی جائے گی اور آئندہ ان کی تصانیف کی اشاعتوں کے موقع پر منجانب گورنمنٹ امداد دینے کی نسبت لحاظ کیا جائے گا۔"

متذکرہ بالا فرمان کی تعمیل میں حکیم سید شمس اللہ قادری کو ان کی تصانیف کے صلے میں یکمشت

پانچ ہزار روپے اور آذر ۱۳۳۹ف سے ڈیڑھ سو (۱۵۰) روپے ماہوار وظیفہ جاری کر دیا گیا چوں کہ فرمان میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ ان کی تصانیف کی اشاعت کے موقع پر امداد دینے کی نسبت حکومت کی جانب سے لحاظ کیا جائے گا اس لیے حکیم شمس اللہ قادری نے ایک درخواست دیتے ہوئے لکھا کہ انھوں نے چار کتابیں تذکرۂ مصنفین دہلی، نظام التواریخ، تحفۃ المجاہدین اور مورخین ہند اپنے ذاتی مصارف سے شائع کی ہیں جن پر ان کے آٹھ سو روپے صرف ہوئے ہیں۔ اس لیے ان کی استدعا ہے کہ ان کتابوں کے حقیقی مصارف آٹھ سو روپے انھیں دیے جائیں۔ اس درخواست پر ناظم تالیف و ترجمہ نے لکھا کہ چاروں کتابیں عمدہ کتابت کے ساتھ اچھے کاغذ پر شائع کی گئی ہیں۔ جن میں بیش قیمت تاریخی مضامین شامل ہیں۔ رجسٹرار جامعہ عثمانیہ نے ناظم تالیف و ترجمہ کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے لکھا کہ کتابیں نہایت مفید ہیں اور جو مطالبہ کیا گیا ہے وہ زیادہ نہیں ہے۔ صدر المہام فینانس و صدر المہام تعلیمات نے رجسٹرار جامعہ عثمانیہ کی رائے سے اتفاق کیا۔ کونسل نے اپنے اجلاس منعقدہ ۷ رخورداد ۱۳۴۲ف م ۱۱ر اپریل ۱۹۳۳ء میں کتابوں کی طباعت کے اخراجات ادا کرنے کی سفارش کی۔ صدر اعظم (مہاراجہ کشن پرشاد) نے مندرجہ بالا تمام سفارشات کو ایک عرضداشت مورخہ ۲۸ر ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ م ۲۴ر اپریل ۱۹۳۳ء میں تحریر کرتے ہوئے اسے آصف جاہ سابع کی منظوری کے لیے پیش کیا۔ اس بارے میں بذریعہ فرمان مورخہ ۲۵ر محرم ۱۳۵۲ھ م ۲۱ر مئی ۱۹۳۳ء یہ حکم صادر ہوا:

کونسل کی رائے کے مطابق مذکورہ مصارف کی بابت آٹھ سو روپے زائد از موازنہ منظور کیے جائیں۔"

چند سال بعد حکیم سید شمس اللہ قادری نے ایک اور درخواست پیش کی جس میں انھوں نے لکھا کہ ان کی عمر (۶۱) سال کی ہو چکی ہے اور اب وہ کسی تصنیف کے لیے مواد فراہم کرنے، اس کو ترتیب دینے اور کتابی صورت میں مدون کرنے کی محنت برداشت کرنے کے قابل نہیں ہیں اس لیے تصنیف کا کام بمقابلہ سابق نصف کے برابر ہو گیا ہے۔ چوں کہ ان کے نام علمی

وظیفہ تاحیات جاری ہوا ہے جسے مجبوری اور معذوری کی حالت میں بھی تادم آخر جاری رہنا چاہیے۔ اس لیے بوجہ پیرانہ سالی کام کرنے سے مجبور قرار دے کر جامعہ عثمانیہ کی نگرانی برخواست کی جائے۔ معینِ امیرِ جامعہ (وائس چانسلرِ جامعہ عثمانیہ) نے اس درخواست پر رائے دی کہ حکیم شمس اللہ قادری کی ابتدائی ماہوار ایک سو پچاس روپے کے لیے صداقت نامہ پیش کرنے کی جو شرط لگائی گئی ہے وہ ان کی پیرانہ سالی کی وجہ سے تمام تر رسمی ہوگئی ہے۔ اس لیے جامعہ اور خود حکیم صاحب کے لیے یہ تجویز زیادہ مناسب ہوگی کہ اس علمی امداد کو وظیفہ رعایتی کی صورت دی جائے اور کام کی شرط اس کے ساتھ نہ رکھی جائے۔ انھوں نے اب تک جو کچھ بھی کام کیا ہے اس کے صلے میں ان کی پیرانہ سالی کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کو غیر مشروط وظیفہ تاحیات دیا جائے تو مناسب ہوگا۔ زائد معتمد تعلیمات نے معین امیر جامعہ کی رائے سے اتفاق کیا۔ سر رشتہ فینانس نے لکھا کہ یہ ایک مشروط ماہوار ہے۔ شرط کا قائم رکھنا یا برخواست کرنا ایسا مسئلہ ہے جس پر غور کر کے بابِ حکومت تصفیہ کرسکتی ہے۔ اس سلسلے میں باب حکومت کے اجلاس منعقدہ ۲۲ر اپریل ۱۹۴۶ء میں بالاتفاق قرار پایا۔ حسبِ تحریک معین امیر جامعہ، شمس اللہ قادری کی علمی و تحقیقی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے ان کے نام جو ماہوار ایک سو پچاس روپے تاحیات بشرط تالیف و تصنیف جاری ہوئی تھی، اب ان کی پیرانہ سالی کے مدِ نظر شرطِ مذکور کو برخواست کر دینا مناسب ہے۔ نائب صدر اعظم مہدی یار جنگ نے اس سلسلے میں ایک عرضداشت مورخہ ۷ر مئی ۱۹۴۶ء آصفِ سابع کی خدمت میں پیش کی جس میں حکیم شمس الدین قادری کی درخواست کا خلاصہ اور معین امیر جامعہ و بابِ حکومت وغیرہ کی رائیں اور سفارشات شامل تھیں۔ آصف سابع نے مشروط ماہوار کو شرط سے مستثنیٰ کرنے کی منظوری دے دی۔ اس بارے میں جو فرمان مورخہ ۱۳ر جون ۱۹۴۶ء جاری ہوا تھا، اس کا متن ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

"کونسل کی رائے کے مطابق سید شمس الدین قادری کی پیرانہ سالی کے مدِ نظر ان کی

ماہوار بر شرطِ تالیف و تصنیف جو قائم ہے وہ برخواست کر دی جائے۔"

حکیم صاحب کی طرح حیدرآباد کی جن دیگر شخصیتوں کی قدردانی ہوئی ہے ان کے بارے میں بھی مواد کی تلاش جاری ہے۔ درکار مواد کی دستیابی اور اس کے اطمینان بخش طور پر تحقیق و تجزیہ کے بعد ان کے بارے میں بھی سلسلہ ہائے مضامین قلمبند کرنے کا ارادہ ہے۔

ماخذ مضمون

Instalment No.83, List No.5, Serial No.370

مقدمہ۔ نسبت درخواست سید شمس اللہ قادری بابتہ اجرائی ماہوار دعطائے امداد تصنیف و تالیف

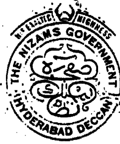


فرمان

بملاحظہ:- عرضداشت صدراعظم معروضہ ۳۔ رمضان المبارک سنہ ۱۳۴۸ھ جو حکیم سید شمس اللہ قادری کو
اون کے تصانیف اور علمی خدمات کے صلہ مین منجانب سرکار امداد دینے کی نسبت ہے۔

حکم:- کونسل کی رائے منظور کیجاتی ہے حسبہ حکیم شمس اللہ قادری کو پانچہزار روپیہ (صہ) یکمشت اور بطور
صلہ تصانیف یکم آذر سنہ ۱۳۳۹ف سے ڈیڑہ سو روپیہ ماہوار اون کے نام تاحیات اس شرط سے جاری
کی جائے کہ اونکے علمی کامون کی نگرانی جامعہ عثمانیہ کی جانب سے کیجائیگی اور آیندہ اونکے تصانیف کے اشاعتون
کے موقع پر منجانب گورنمنٹ امداد دینے کی نسبت لحاظ کیا جائیگا۔

۲۱۔ شوال المکرم سنہ ۱۳۴۸ھ



نقل فرمان مبارک اعلیحضرت قدر قدرت حضور پر نور بندگانعالی متعالی مدظلہ العالی

نمبر ضابطہ۔ عرضداشت صیغہ تعلیمات معروضہ ۲۵ جمادی الثانی ۱۳۶۵ھ جو حکیم سید شمس اللہ قادری کی ماہوار مشروطہ کو شرط سے مستثنیٰ کرنے کی نسبت ہے۔

حکم:— کونسل کی رائے کے مطابق سید شمس اللہ قادری کی پیرانہ سالی کے مدنظر ان کی ماہوار پر شرط تالیف و تصنیف جو قائم ہے وہ برخاست کر دی جائے۔ (دستخط مبارک)

۲۱ رجب المرجب ۱۳۶۵ھ

نقل مطابق اصل

مولوی عبدالحق کی اردو لغت اور ریاست حیدرآباد

ایک اہم علمی پراجکٹ کا المیہ پر اختتام

بابائے اردو مولوی عبدالحق کے کارہائے نمایاں میں جو انھوں نے اردو زبان کے لیے انجام دیے، اس میں اردو لغت کی تیاری بھی شامل ہے۔ اردو جیسی بڑی اور مقبول زبان کی ایک مکمّل اور مستند لغت تیاّر کرنے کو ایک اہم ترین ضرورت کی تکمیل تصوّر کرتے ہوئے مولوی عبدالحق کی تحریک پر حکومت حیدرآباد نے اپنی روایتی فیاضی اور علمی سرپرستی کے ذریعہ کس طرح زرِکثیر کے صرفہ سے ایک پراجکٹ کو تکمیل کے آخری مرحلہ میں پہنچا دیا تھا اس کا اندازہ آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز میں محفوظ ریکارڈ کی مدد سے لکھے گئے اس مضمون سے لگایا جاسکتا ہے۔ اس لغت کی تیاری کے لیے حکومت حیدرآباد نے مولوی عبدالحق کو دس سال تک ماہانہ ایک ہزار روپیہ کی امداد دی۔ لغت کی تیاّری کے بعد اس کی طباعت کی غرض سے مانوٹائپ مشین کی خریدی کے لیے منظوری دی گئی اور مولوی عبدالحق کی سفارش پر پروف ریڈنگ کے لیے مولوی احتشام الدّین کا ایک سال کی مدّت کے لیے تقرّر عمل میں آیا۔ اس پراجکٹ پر حکومت حیدرآباد نے نصف صدی قبل مجموعی طور پر جو رقومات صرف کیں اس کی قدر آج کروڑوں روپیوں میں شمار کی جاسکتی ہے لیکن یہ کس قدر الم ناک بات ہے کہ اتنے سارے مصارف کے باوجود یہ لغت حیدرآباد میں شائع نہ ہوسکی کیوں کہ لغت کا مسودہ حکومت حیدرآباد کے حوالے نہیں کیا گیا تھا۔

اس اہم پراجکٹ کی تکمیل کے سلسلے میں جو سرکاری اور سند مواد آرکائیوز میں موجود ہے اس کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

مولوی عبدالحق ایک ایسی اردو لغت تیار کرنا چاہتے تھے جو دستیاب اردو لغتوں میں پائے جانے والے نقائص اور اسقام سے پاک ہو۔ چناں چہ انھوں نے اس لغت کی تیاری کے لیے ایک اسکیم تیار کی۔ اس اسکیم کے تحت لغت کی تیاری کیلیے ایک بڑے مالیہ کی ضرورت تھی۔ انھوں نے مالی امداد کی فراہمی کے لیے سابق ریاست حیدرآباد کی حکومت کو ایک درخواست پیش کی جس میں انھوں نے استدعا کی کہ وہ اردو کی ایک جامع لغت مرتّب کریں گے اگر انھیں ایک ہزار روپیہ ماہانہ دس سال کی مدّت تک عطا کیے جائیں۔ کتابوں کی فراہمی، صادرسفر کے اخراجات اور ان اشخاص کی تنخواہیں جو اس کام میں مدد دینے کے لیے رکھے جائیں گے۔ یہ تمام اخراجات اس میں شامل رہیں گے۔

اس درخواست پر ناظم تعلیمات نے رائے دیتے ہوئے لکھا کہ یہ حقیقت ناقابلِ تردید ہے کہ گزشتہ بیس سال میں اردو زبان کے الفاظ، طرزِ بیان اور طرزِ خیال وغیرہ میں جو اہم تغیرّات ہوئے ہیں اور دن بدن ہو رہے ہیں۔ ان کی وجہ سے موجودہ دستیاب لغتیں اُردو زبان کے متعلق صحیح و مکمّل معلومات بہم پہنچانے کے قابل نہیں رہی ہیں اور اب ایک ایسی لغت کی شدّت کے ساتھ ضرورت محسوس ہو رہی ہے جس سے تحصیلِ زبان اردو میں ہر شخص کو تشفّی بخش مدد مل سکے اور جو زمانہ حاضرہ کی ضروریات کے لحاظ سے مکمّل اور کافی ہو۔ اردو زبان میں شائستہ اور علمی زبان کا درجہ حاصل کرنے کی قابلیت موجود ہے اور اسے اس بلند رتبہ تک پہنچانے کے لیے اندرون و بیرون ریاست سرگرم کوششیں ہو رہی ہیں لیکن ایک صحیح، مستند اور جامع لغت کی غیر موجودگی میں ان کوششوں کا کامیاب ہونا ناممکن ہے اس لیے ایک مستند اور جامع لغت مرتّب کرنے کی غرض سے مولوی عبدالحق کو سرکار سے مسلسل دس سال تک ایک ہزار روپیہ ماہانہ مرحمت فرمائے جائیں۔ مولوی عبدالحق اس کام کے لیے ہر پہلو سے موزوں ہیں۔

منظوری کی صورت میں اس رقم کی اجرائی نظامت تعلیمات کی بجٹ سے ہوگی اور اگر کسی سال بجٹ میں گنجائش نہ ہو تو رقم کی اجرائی اس گنجائش سے ہوگی جس کی نشان دہی نظامتِ تعلیمات کی جانب سے کی جائے گی۔

معتمدِ تعلیمات نے ناظمِ تعلیمات کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے لکھا کہ اردو کے لیے ایک مختصر اور جامع لغت کی ضرورت ہے۔ اس ریاست کی سرکاری زبان اردو ہے اور آصفِ سابع کی فیاضی اور علمی سرپرستی سے یہاں اردو یونیورسٹی قائم ہوئی ہے۔ لہٰذا جس طرح آکسفورڈ اور کیمبرج یونیورسٹیوں کی جانب سے انگریزی کی ڈکشنریاں شائع کی جاتی ہیں اسی طرح یہ مناسب ہے کہ یہاں بھی اردو کی ایک مستند لغت تیار کی جائے۔ اس کام کے لیے عبدالحق سب سے زیادہ موزوں ہیں۔ ان کی تمام عمر اردو زبان کی تحقیق میں گزری ہے اور ان کی نظر نہایت وسیع ہے اور ان کے پاس اس کام کے لیے بہت مواد موجود ہے۔

سررشتۂ فینانس نے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اگر سررشتۂ تعلیمات سے رقم کی پابجائی یکمشت یا بالاقساط کی جائے تو سررشتۂ فینانس کو اس گراں قدر اور یادگار کام کے کیے جانے پر دو اہم شرائط کے ساتھ اختلاف نہیں ہے۔ پہلی شرط یہ کہ سرکار کو حسابات کی تنقیح اور اس سلسلے میں سرکاری ہدایات پر عمل کروانے کا حق حاصل ہوگا۔ دوسری شرط یہ کہ یہ لغت سرکار کی ملک ہوگی۔

یہ کارروائی اراکین باب حکومت میں گشت کرائی گئی اور بابِ حکومت کے اجلاس منعقدہ ۱۶ رجون ۱۹۳۰ء میں بالاتفاق قرار پایا کہ اردو زبان کے لیے ایک محققانہ لغت کی ضرورت ہے جس سے اس کی اصلیت اور زبان بننے کی تاریخ بھی معلوم ہو سکے اور چوں کہ آج تک اس نوعیت کی کوئی مکمل لغت تیار نہیں ہوئی ہے اگر سرکار کی سرپرستی میں ایسی لغت تیار ہو جائے تو اردو زبان پر یہ ایک دائمی احسان ہوگا اور جامعہ عثمانیہ کے تعلق سے یہ کارنامہ اس ریاست کے لیے ایک

مستقل یادگار رہے گا اس لیے کونسل کی رائے میں مولوی عبدالحق کی درخواست بغرض ترتیب وتکمیلِ لغت اردو قابلِ منظوری ہے۔ ان کو دس سال تک حسبِ ذیل شرط کے ساتھ ایک ہزار روپیہ اس علمی کام کی تکمیل کے لیے مرحمت فرمائے جاسکتے ہیں۔ اس غرض کے لیے کہ کام کے واقعی طور پر اندرونِ مدت انجام پانے کا اطمینان حاصل ہو اور بالآخر سرکارِ عالی اس کو حاصل کر سکے۔ اس عطیہ کے لیے یہ شرط ہے کہ کام کا پروگرام (نظام العمل) مرتب کیا جائے تاکہ دس سال میں اس کی تکمیل کا یقین ہوجائے اور ناظمِ تعلیمات کے توسط سے سالانہ رپورٹ کونسل میں پیش ہونی چاہیے جس سے یہ معلوم ہوسکے کہ سال بھر کا کام پروگرام کے مطابق پورا ہوا ہے۔ اگر کسی سال کام پورا نہ ہوا (باقی رہ گیا) تو اس کی تکمیل تک امداد روک دی جائے۔ لغت کی چھپائی کے اخراجات ریاست کے ذمہ رہیں گے اور اس کا حق تصنیف اور جملہ حقوق جامعہ عثمانیہ کے حق میں محفوظ رہیں گے۔ ریاست سے مزید امداد نہیں ملے گی۔

صدرِ اعظم (مہاراجہ سرکشن پرشاد) نے ایک عرضداشت مورخہ ۲۴ر صفر ۱۳۴۹ھ م ۲۱ر جولائی ۱۹۳۰ء میں مولوی عبدالحق کی درخواست پر ناظم ومعتمد تعلیمات، سررشتۂ فینانس اور بابِ حکومت کی مذکورۂ بالا سفارشات درج کرتے ہوئے آصفِ سابع کی خدمت میں روانہ کی۔ آصفِ سابع نے اردو لغت تیار کرنے کے لیے مولوی عبدالحق کو امداد دینے کے بارے سفارشات کو منظور کیا اور مولوی عبدالحق کو اردو لغت تیار کرنے کے لیے مالی امداد جاری کرنے کے لیے حسبِ ذیل فرمان مورخہ ۴ر اگست ۱۹۳۰ء صادر ہوا:

"کونسل کی رائے مناسب ہے۔ حسبہٗ بشروطِ مصرحہ عرضداشت مولوی عبدالحق کو دس سال تک ایک ہزار روپیہ ماہانہ امداد دی جائے۔"

آصفِ سابع کے مندرجہ بالا فرمان کی تعمیل میں سررشتۂ فینانس کی طرف سے اجرائی امداد کے احکام جاری ہوئے۔ بابِ حکومت کی جانب سے لغت کے سالانہ کام کی نگرانی بطورِ خاص فضل محمد خاں معتمد تعلیمات کمشنر صیغہ تنظیم تعلیم صنعتی کے ذمہ کی گئی جو بابِ حکومت کو اس بات سے مطلع کرتے رہے کہ لغت کا کام اطمینان بخش طریقہ پر انجام پا رہا ہے۔ بابِ حکومت

نے اپنے اجلاس منعقدہ ۱۶ر دسمبر ۱۹۴۰ء میں اس لغت کی امداد کے متعلق دسویں اور آخری قسط کے ایصال کیے جانے کی اجازت دیتے ہوئے یہ بھی ہدایت کی کہ اس لغت کی طباعت کا کام جلد شروع کیا جائے اور سعی کی جائے کہ دو تین برس کے اندر اس لغت کی تمام جلدیں طبع ہو جائیں۔ حسبہٗ فضل محمد خاں نے طباعت لغت کے متعلق تجاویز پیش کیں۔ کونسل کے اجلاس منعقدہ ۱۷ر فروری ۱۹۴۱ء میں جلد اوّل کی طباعت سے متعلق بیرونِ ملک کے ایک مطبع کا تخمینہ مصارف پیش ہوا۔ نیز ناظم دارالطبع نے نمونتاً دو قسم کے پروف پیش کیے تھے ایک میں اعراب تھے، دوسرا اعراب کے بغیر تھا۔ کونسل نے بالاتفاق طے کیا کہ ناظمِ دارالطبع جلدِ اوّل کی طباعت کا تخمینہ دو قسم کے پروف کے لحاظ سے کونسل میں آئندہ پیش کریں۔

ناظمِ دارالطبع کی جانب سے لغت کی طباعت کا تخمینہ پیش ہونے پر کونسل نے اپنے اجلاس منعقدہ ۲۰ر فروری ۱۹۴۱ء میں بالاتفاق حسبِ ذیل فیصلے کیے:

(۱) مولوی عبدالحق کا مرتبہ لغت اُردو دارالطبع سرکارِ عالی میں طبع کرایا جائے اور اس غرض سے مسودہ مولوی عبدالحق کے پاس سے منگوا کر محفوظ کر لیا جائے اور اس کتاب کا مقدمہ مولوی عبدالحق سے لکھوایا جائے۔

(۲) اس لغت کا حقِ تصنیف اور جملہ حقوق جامعہ عثمانیہ کے حق میں محفوظ رہیں۔ مصارفِ طبع جامعہ عثمانیہ کے بجٹ سے ادا کیے جائیں۔

(۳) جلد اوّل و جلد دوم کی طباعت کا کام فوراً شروع کر دیا جائے۔

(۴) طباعت بغیر اعراب کے ناظمِ دارالطبع کے پیش کردہ نمونے کے مطابق ہوگی۔

(۵) لغت کی طباعت و اشاعت اور فروخت کے لیے ایک کمیٹی زیرِ نگرانی صدرالمہام تعلیمات و فینانس اور صدرالمہام عدالت و امورِ مذہبی مقرر کی جائے + اور اشاعت و فروخت کے لیے ہندوستان کے بڑے بڑے کتب فروشوں سے مراسلت کی جائے۔

(۶) مصارفِ طبع کے لیے ناظم دارالطبع نے فی جلد اکتیس ہزار سات سو پچیس کا جو تخمینہ بتلایا ہے اس میں جلد بندی کے مصارف بہت زیادہ ہیں اس میں کمی کی جائے۔

(۷) حسبِ تحریک ناظمِ دارالطبع دو سال کے لیے طباعت کی ضروریات مثلاً کاغذ اور سامانِ جلد بندی وغیرہ اکٹھا خریدنے کے لیے مبلغ پینتالیس ہزار چار سو پچاس فوراً ادا کیے جائیں۔

(۸) ناظمِ دارالطبع کو لغت کی طباعت کے ضمن میں ہنگامی عملہ کے تقرر اور ان مستقل ملازمین دارالطبع کو جو لغت کی طباعت میں کام کریں آمدنی میں سے الاونس ایصال کرنے کا اختیار دیا جائے۔

(۹) ایک پروف ریڈر کا تقرر بمشورہ مولوی عبدالحق کیا جائے جس کی تنخواہ دو سو پچاس روپیہ کلدار ماہانہ تک ہوگی۔

صدر اعظم (سر اکبر حیدر نواز جنگ) نے ایک عرضداشت مورخہ ۶/ صفر ۱۳۶۰ھ م ۵/ مارچ ۱۹۴۱ء میں اردو لغت کی طباعت کے بارے میں اوپر دی گئی تفصیلات درج کرتے ہوئے اسے آصفِ سابع کی خدمت میں روانہ کیا جس پر آصفِ سابع نے لغت کی طباعت شروع کروانے کے احکام صادر کیے۔ اس بارے میں جو فرمان مورخہ ۶/ رجب ۱۳۶۰ھ م ۳۱/ جولائی ۱۹۴۱ء صادر ہوا تھا اس کا متن درجِ ذیل ہے:

"کونسل کی رائے کے مطابق مذکور لغت کی طباعت کا کام شروع کرایا جائے۔"

اُس وقت دارالطبع میں چار مانوٹائپ مشینیں موجود تھیں جن میں سے صرف ایک اردو کے لیے تھی جو اردو لغت کی عاجلانہ طباعت اور اس کی ضخامت کے پیشِ نظر کافی نہیں ہو سکتی تھی اس کام کے لیے ایک اور مانو مشین کی ضرورت محسوس ہوئی۔ چناں چہ ناظم طباعت نے ایک مشین و متعلقہ سامان کی خریدی کے لیے (۳۱،۸۴۷) روپیہ کلدار کا تخمینہ بتاتے ہوئے لکھا کہ دارالطبع میں موجودہ چار مانوٹائپ مشینوں کی صفائی و درستگی بھی ضروری ہے جس کے لیے (۶،۳۰۰) روپیہ درکار ہیں۔ صدر ناظم طباعت نے اس کی تائید کرتے ہوئے جملہ رقم (۳۸،۱۴۷) کی منظوری کی درخواست کی۔ نائب صدر اعظم (سر عقیل جنگ بہادر) نے ایک عرضداشت مورخہ ۱۴/ جمادی الثانی ۱۳۶۰ھ م ۱۰/ جولائی ۱۹۴۱ء میں لغت اردو کی طباعت کے لیے مانوٹائپ مشین کی خریدی کے سلسلے میں ناظم طباعت کی تجویز اور صدر ناظم طباعت وغیرہ کی سفارشات درج کیں اور اسے آصفِ سابع کے ہاں روانہ کیا جسے آصفِ سابع نے منظوری

عطا کی۔ اس سلسلہ میں حسبِ ذیل فرمان مورخہ ۶ رجب ۱۳۶۰ھ م ۳۱ جولائی ۱۹۴۱ء صادر ہوا۔

"صدرِ اعظم کی رائے کے مطابق اخراجاتِ مذکور کے لیے (۳۸،۱۴۷) روپیہ کلدار منظور کیے جائیں"۔ لغت کی طباعت کے لیے مانوٹائپ مشین کی خریدی کی منظوری مل جانے کے بعد دو امور تصفیہ طلب رہ گئے تھے (الف) طباعت بغیر اعراب کے یا اعراب کے ساتھ ہوگی۔ (ب) ایک پروف ریڈر کا تقرر۔ فقرہ الف کے بارے میں فیصلہ کرنے کے لیے مولوی عبدالحق کی ایما پر ایک کمیٹی بصدارت مہدی یار جنگ بنائی گئی جس کا پہلا اجلاس ۸ مہر ۵۱ ف کو منعقد ہوا۔ اس کمیٹی نے آخر کار اپنے اجلاس منعقدہ ۱۹ شہریور ۵۳ ف م ۲۵ جولائی ۱۹۴۴ء میں اس بارے میں قطعی رائے دی۔ پروف ریڈر کے تقرر کے بارے میں مولوی عبدالحق نے اپنی رائے ظاہر کی کہ لغت کا معاملہ بہت نازک ہے اس میں انتہائی احتیاط سے کام لینا پڑتا ہے۔ پروف ریڈر کا کام صرف یہی نہ ہوگا کہ وہ مسودہ سے مطابقت کر کے کتابت کی غلطیاں درست کر دے بلکہ بعض خفیف اسقام جو مسودے میں رہ گئے ہیں ان کی بھی اصلاح کرنی ہوگی اور کہیں کہیں جو حوالے اور اسناد نامکمل رہ گئے ہیں ان کی بھی تکمیل کرنی پڑے گی۔ احتشام الدین ایم اے دس گیارہ سال سے ان کے ساتھ مسلسل اس کام کو کرتے رہے ہیں اور وہ ان تمام اصولوں سے بہ خوبی واقف ہیں جن پر اس لغت کی بنیاد رکھی گئی ہے نیز اس رسم الخط اور املا سے بھی با خبر ہیں جو اس لغت میں اختیار کیا گیا ہے۔ ابتدا سے ابتک تمام مسودے ان کی نظر سے گزر چکے ہیں نیز تمام کتب اسناد ان کے پیشِ نظر ہیں۔ زبان کے معاملہ میں ان کی نظر بہت وسیع ہے اس کے تمام نشیب و فراز سے پورے طور پر واقف ہیں۔ ان سے اس کام میں جو مدد مل سکتی ہے وہ کسی نئے شخص سے نہیں مل سکتی لہٰذا پروف ریڈنگ کی خدمت پر احتشام الدین کا تقرر منظور فرمایا جائے۔ پروف ریڈر کی تنخواہ کے اخراجات کے بارے میں سررشتہ تعلیمات اور فینانس سے رائے لینے کے بعد کارروائی بابِ حکومت کے اجلاس منعقدہ ۱۲ خورداد ۵۴ ف م ۱۶ اپریل ۱۹۴۵ء میں پیش

ہوئی۔ صدر المہام فینانس نے پروف ریڈر کے تقرر کے اخراجات تنخواہ وسفر خرچ زائد از موازانہ برداشت کرنے پر رضامندی ظاہر کی تھی۔ لہٰذا باتفاق آرا طے پایا کہ احتشام الدین کو بہ ماہوار (۲۵۰) روپیہ کلدار ایک سال کے لیے یکم آذر ۱۳۵۴ف سے زائد از موازنہ تقرر کے لیے بارگاہِ جہاں پناہی کی منظوری حاصل کی جائے۔ یہ بھی طے پایا کہ حسبِ سفارش کمیٹی منعقدہ ۱۹ر شہریور ۵۳ف صحت تلفظ کے مدِ نظر لغت میں پہلے لفظ پر جس کے معنی متن میں بتلائے جائیں گے اعراب لگائے جائیں تاکہ معیاری تلفظ ظاہر ہو۔ البتہ متن میں عموماً الفاظ پر اعراب لگانے کی ضرورت نہیں الا اس کے کہ متن میں بھی چند الفاظ پر اعراب لگانا ناگزیر ہو۔ حسبہٗ عمل کیا جائے اور بارگاہ خسروی میں اطلاعی معروضہ ادب گزرانا جائے۔

صدر اعظم (سر محمد احمد سعید خاں) نے طباعت میں اعراب کے استعمال اور پروف ریڈر کے تقرر کی کارروائی کی تمام تفصیلات اور بابِ حکومت کی مذکورہ بالا قرارداد کو ایک عرضداشت مورخہ ۲۲ر جمادی الاول ۱۳۶۴/۵/ مئی ۱۹۴۵ء کی شکل میں آصف سابع کی خدمت میں روانہ کی ان تفصیلات سے اس بات کا بھی علم ہوتا ہے کہ مولوی عبدالحق نے چند اعراب اور علامات تجویز کر کے مسودہ لغت کے صرف ۴۰ صفحات ناظم دارالطبع کے حوالے کیے تھے کہ اسے ان اعراب و علامات کے ساتھ کمپوزڈ ٹائپ کر کے بغرض پسند کمیٹی میں پیش کرنے کے لیے تیار کیا جائے۔ لغت کی پروف ریڈنگ کے سلسلے میں یہ اطلاع بھی درج کی گئی کہ احتشام الدین پروف ریڈنگ کے سلسلے میں دہلی سے حیدرآباد آئیں گے اور پھر پروف لے کر مولوی عبدالحق کے پاس دہلی جائیں گے۔ آصف سابع نے پروف ریڈر کے تقرر کی منظوری دی اور اس سلسلہ میں حسبِ ذیل فرمان مورخہ ۱۲ر رجب ۱۳۶۴ھ/۲۳/ جون ۱۹۴۵ء صادر ہوا:

"کونسل کی رائے کے مطابق مذکور خدمت پر احتشام الدین کا تقرر یکم آذر ۱۳۵۴ف سے (۲۵۰) کلدار ماہوار پر ایک سال کے لیے کیا جائے اور تنخواہ وسفر خرچ کے اخراجات زائد موازنہ اجرا کیے جائیں"۔

حکومت حیدرآباد کے اس مستند ریکارڈ سے پہلی بار مولوی عبدالحق کی اردو لغت سے

متعلق بعض حقائق سامنے آتے ہیں جن سے انکار نہیں کیا جا سکتا یہ ایسے حقائق ہیں جن سے اردو زبان اور اس کے علمی و تحقیقی اثاثہ کا گہرا تعلق ہے۔ یہ جان کر افسوس ہوتا ہے کہ جو عظیم کام حیدرآباد میں برسہا برس کی کدوکاوش، عرق ریزی اور ذرائع و وسائل بشمول مالیہ کی فراہمی کے نتیجہ میں مکمل ہو چکا تھا وہ محض ان کی وکوتاہی کی بنا پر ضائع ہو گیا کہ تیار شدہ لغت کا مسودہ حکومت کے حوالے نہیں کیا گیا تھا حالاں کہ اسکے لیے حکومت کی طرف سے توجہ دلائی گئی تھی اور اس پراجکٹ کے آغاز پر ہی جو شرطیں طے کر دی گئی تھیں ان کے تحت اس لغت کی ملکیت حیدرآباد کو حاصل تھی اور اس کے جملہ حقوق بحق جامعہ عثمانیہ محفوظ کر دیے گئے تھے۔ اس بات پر بھی حیرت ہوتی ہے کہ لغت مذکور کی مرحلہ بہ مرحلہ تیاری کے ساتھ ہی ساتھ تیار شدہ مواد حکومت کو کیوں داخل نہیں کیا گیا اور خود حکومت نے بھی اس مواد کے حصول میں کیوں تغافل برتا۔ انجمن ترقی اردو پاکستان کی سالانہ روئیداد (۵۴-۱۹۵۵ء) کے بموجب ملک کی تقسیم کے موقع پر دہلی میں جو فساد برپا ہوا تھا مولوی عبدالحق کے پاس موجود اس اردو لغت کا مسودہ اسی ہنگامے میں تلف ہو گیا۔ انجمن ترقی اُردو پاکستان کی سالانہ روئیداد (۱۹۵۵-۱۹۵۶ء) میں مولوی عبدالحق نے لکھا ہے کہ انھیں پاکستان میں نئے سرے سے تنہا لغت کا کام پھر سے شروع کرنا پڑا اور خود ان کے الفاظ میں "بڑی کاوش و محنت کے بعد تین حرف الف بے پے مکمل ہوئے ہیں"۔ بعد ازاں اس کام کا ایک بڑا حصہ لغت کبیر کے نام سے دو جلدوں میں پاکستان سے شائع ہو چکا ہے۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ حیدرآباد میں یہ کام مولوی عبدالحق کی نگرانی میں علم و ادب سے تعلق رکھنے والی مختلف قدر آور شخصیتوں کے اس میں عملاً حصہ لینے کے نتیجہ میں تکمیل پا چکا تھا اگر کام محفوظ رہ جاتا تو اس سے اردو دنیا محروم نہ رہتی اور یقیناً اردو زبان اور ادب کو وہ بیش بہا فائدہ پہنچتا جس کا اندازہ لگانا ممکن نہیں ہے۔

ماخذ

Instalment No.83, List No.5, Serial No.196

مقدمہ۔ درخواست عبدالحق پرنسپل انٹرمیڈیٹ کالج نسبت عطائے مصارف برائے زیر ترتیب لغت اردو



فرمان

ملاحظہ عرضداشت صیغہ تعلیمات مورخہ ۲۰ صفر المظفر ۱۳۴۶ھ جو اورنگ آباد کے انٹرمیڈیٹ کالج کے سابق پرنسپل مولوی عبدالحق کو اردو لغت لکھنے کیلئے دس سال تک (السکہ) ماہانہ امداد دینے کی نسبت ہے۔

حکم:- کونسل کی رائے مناسب ہے حسب شرائط مصرحہ عرضداشت عبدالحق کو دس سال تک ایک ہزار روپیہ (السکہ) ماہانہ امداد دی جائے (ثبت شد دستخط مبارک)

۸ ربیع الاول شریف ۱۳۴۶ھ ثبت شد دستخط (امیر جنگ)

نقل مطابق اصل



فرمان

بملاحظہ: — عرضداشت صیغۂ عدالت و امور عامہ معروضہ ۶ صفر المظفر سنہ ۱۳۶۰ھ جو عبدالحق کی مرتبہ لغتِ اردو کی جلدیں اون سے طلب کر کے دار الطبع میں محفوظ اور اونکو طبع کرانے کی نسبت ہے۔

حکم: — کونسل کی رائے کے مطابق مذکور لغت کی طباعت کا کام شروع کرایا جائے۔

۶ رجب المرجب سنہ ۱۳۶۰ھ



فرمان

بملاحظہ: — عرضداشت صیغۂ عدالت و امور عامہ معروضہ ۱۴ جمادی الثانی سنہ ۱۳۶۰ھ جو دار الطبع کے لئے ایک مانوٹائپ مشین اور اوس کے متعلقہ سامان کی درستی وغیرہ کی نسبت ہے۔

حکم: — صدر اعظم کی رائے کے مطابق اخراجات مذکور کیلئے ۳۰۱۴۷ ہزار روپیہ کلدار منظور کئے جائیں۔

۶ رجب المرجب سنہ ۱۳۶۰ھ

باغی مخدوم کی ممنوعہ کتاب "حیدرآباد"

مخدوم محی الدین حیدرآباد کے ایک نمائندہ شاعر ہی نہیں تھے بلکہ حیدرآباد اور ریاست آندھرا پردیش کی ایک نمائندہ شخصیت اور جلیل القدر عوامی رہنما بھی تھے۔ بحیثیت شاعر کی حیثیت سے ان کا کلام زبان زدِ خاص و عام ہے۔ ان کے شعری مجموعوں "سرخ سویرا" "گلِ تر" اور "بساطِ رقص" سے ادب کے ہر قاری کے علاوہ مخدوم کے دوسرے بے شمار مداح بھی واقف ہیں لیکن ان کے نثر پاروں سے واقفیت بہت محدود ہے۔ مخدوم کی پہلی نثری تصنیف "ٹیگور اور ان کی شاعری" ادارۂ ادبیاتِ اردو سے شائع ہوئی تھی۔ مخدوم اور میر حسن نے مل کر برنارڈ شا کے ڈرامہ Widower's Houses کا ترجمہ "ہوش کے ناخن" کے نام سے کیا تھا۔ یہ ترجمہ بھی ادارۂ ادبیات نے شائع کیا تھا۔ مخدوم کا لکھا ہوا طبع زاد ایک ایکٹ کا ڈرامہ "مرشد" ساگر ٹاکیز میں پیش کیا گیا تھا۔ علاوہ ازیں مخدوم نے ایک اور ڈرامہ "پھول بن" بھی تصنیف کیا تھا جو دراصل چیخوف کے ڈرامہ سے ماخوذ تھا۔ مخدوم کے چند مضامین بشمول "بگھی کے پیچھے چھوکرا" بھی شائع ہو چکے ہیں۔ مخدوم محی الدین نے اپنی روپوشی کے زمانہ میں ملک کی آزادی سے کچھ پہلے باغی مخدوم کی حیثیت سے ایک کتاب بھی لکھی تھی۔ اس نثری تصنیف "حیدرآباد" کی اشاعت کے فوری بعد اس پر حکومت ریاست حیدرآباد کی جانب سے عائد کردہ امتناع اور اس

کتاب کی تمام کاپیاں ضبط کر لینے سے متعلق تفصیلات پہلی بار اس مضمون میں پیش کی جارہی ہیں اس کتاب سے متعلق جو مواد ذیل میں دیا جارہا ہے وہ اسٹیٹ آرکائیوز آندھرا پردیش میں محفوظ رازنہ کی فائیل (CONFIDENTIAL FILE) سے دستیاب ہوا ہے۔

دین یار جنگ بہادر کوتوال بلدہ نے اپنے مراسلہ مورخہ ۵/خورداد ۱۳۵۶ ف م ۵/ اپریل ۱۹۴۷ء کے ذریعہ مخدوم محی الدّین کی کتاب "حیدرآباد" شائع کردہ قومی دارالاشاعت (لاہور و بمبئی) مطبوعہ کواپریٹو کیپٹل پریس لاہور کا ایک نسخہ معتمد عدالت وکوتوالی و امور عامّہ کو روانہ کرتے ہوئے لکھا کہ کتاب کے قابلِ اعتراض حصّوں کے محاذی سرخی سے نشان لگائے گئے ہیں۔ اس کتاب کے چند نسخے بعض مقامی اشخاص کے پاس جو کمیونسٹ خیالات کے حامی ہیں بمبئی سے وصول ہوئے ہیں، نیز ماڈرن بک ڈپو میں بھی اس کے کچھ نسخے وصول ہوئے تھے جو فروخت ہو چکے ہیں۔ اس کا امکان ہے کہ اس کے اور نسخے بھی درآمد اور فروخت کیے جائیں۔ اس کتاب کے نام سے ظاہر ہے کہ یہ کتاب حیدرآباد سے متعلق ہے۔ کتاب کے مصنّف مخدوم محی الدّین ایک مشہور کمیونسٹ ہیں جن کی گرفتاری تحت قاعدہ ۲۵ قواعد تحفّظ ممالک محروسہ سرکار عالی مطلوب ہے مگر وہ روپوش ہیں۔ یہ کتاب کمیونسٹ نظریہ کے تحت لکھّی گی ہے۔ اس میں یہ بتلانے کی کوشش کی گئی ہے کہ دیسی ریاستوں نے ہندوستان کی آزادی کے خلاف انگریزوں سے سازش کی ہے اور اس سازش میں ریاست حیدرآباد کا بہت بڑا حصہ ہے۔ ریاست حیدرآباد کی ابتدائی دور کی تاریخ بتلاتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ مغلیہ سلطنت اور عوام سے غدّاری کرکے اس کا قیام عمل میں لایا گیا تھا۔ جاگیرداری نظام کی مذمّت کرتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ ریاست میں سب سے بڑے جاگیر دار خود اعلیٰ حضرت بندگان عالی ہیں۔ صرف خاص کی آمدنی ڈھائی کروڑ روپیہ سالانہ ہے لیکن اس کا نظم ونسق بہت خراب ہے۔ یہ بھی ظاہر کیا گیا ہے صرف خاص کی آمدنی کے علاوہ خزانہ عامرہ سے ۷۰ لاکھ روپے شاہی خاندان کے لیے مقرر ہیں اعلیٰ حضرت نے نذرانہ کے نام سے کروڑوں روپے زبردستی وصول کیے ہیں گو اب عام نذرانوں

کی رسم مسدود سمجھی جاتی ہے مگر رسوخ اور خوشنودی کا دارومدار اب بھی نذرانوں کی مقدار ہی پر منحصر ہے۔ ریاست میں رشوت کا بازار گرم ہے نہ کوئی داد ہے نہ فریاد۔ دوسری جاگیروں کی حالت بھی بہت ابتر ہے اور وہاں عوام پر خود جاگیر دار اپنے غنڈوں کے ذریعہ وحشیانہ مظالم کرواتے ہیں اور اس سلسلہ میں کوتوالی اور فوج سے بھی مدد لی جاتی ہے۔ ماچریڈی پلی، اکنور، سوریلہ پیٹھ اور ضلع نلگنڈہ کے واقعات نہایت مبالغہ کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔ کتاب کے آخر میں عوام سے اپیل کی گئی ہے کہ وہ انگریزی شہنشاہیت اور شخصی آمریت کو ختم کرکے کمیونسٹ اصولوں پر ذمہ دارانہ حکومت قائم کریں۔ مختصر یہ کہ اس کتاب کے پڑھنے سے عوام میں حکومت سرکار عالی اور اعلیٰ حضرت بندگان عالی کے خلاف نفرت و حقارت کے جذبات پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ اس میں قاعدہ ۳۳ (۷) قواعد تحفظ ممالک محروسہ سرکار عالی کے معنون میں "مضرت رساں" اطلاعات درج ہیں۔ لہٰذا اس کتاب پر ممانعت اور ضبطی سے متعلق صدر اعظم بہادر با جلاس کونسل کے احکام جلد حاصل کرکے روانہ کیے جائیں

کوتوال بلدہ مخدوم محی الدین کی کتاب "حیدرآباد" کا ایک نسخہ آصف سابع نواب میر عثمان علی خاں کے ملاحظہ کے لیے پیش کر چکے تھے چناں چہ آصف سابع نے اس کتاب کے بارے میں حکومت کو ہدایات روانہ کیں۔ اس سلسلہ میں آصف سابع کا جو حکم مورخہ ۵ / اپریل ۱۹۴۷ء جاری ہوا تھا وہ حسب ذیل ہے۔

"کوتوال بلدہ نے میرے ملاحظہ میں ایک رسالہ پیش کیا ہے، جس کا نام حیدرآباد ہے جس کو کہ مخدوم محی الدین نے طبع کیا ہے اس میں از ابتدا تا انتہا جو مضامین لکھے گئے ہیں وہ کھلے باغیانہ رنگ میں ہیں۔ خصوص اس پر آشوب زمانہ میں ایسے مضامین سے ہر قسم کے فتنے برپا ہونے کا اندیشہ ہے۔ لہٰذا میری دانست میں اس کی خرید و فروخت اندرون ممالک محروسہ سرکار عالی مسدود ہونا اور کاپیاں بحق سرکار ضبط ہونے کے قابل ہیں تاکہ اس فتنہ و شر کا انسداد ہو سکے۔ مجھے امید ہے کہ کونسل کو میری رائے سے اتفاق ہوگا۔ کوتوال بلدہ نے جو رسالہ پیش کیا تھا وہ کونسل کے پڑھنے کے لیے بھیجا جا رہا ہے۔"

علی یاور جنگ بہادر صدر المہام صحت عامہ، تعلیمات اور کوتوالی نے بھی اس سلسلہ میں ایک انگریزی مراسلہ مورخہ ۶ / اپریل ۱۹۴۷ء تحریر کیا جس کے ذریعہ معتمد کوتوالی کو یہ ہدایات دی گئیں کہ مخدوم محی الدین کی کتاب "حیدرآباد" کو جس کا کوتوال بلدہ نے اپنی حالیہ رپورٹ میں تذکرہ کیا ہے مسدود کرنے کے لیے فوری اقدامات کریں۔ اس کتاب میں آصف سابع کے بارے میں سخت قابلِ اعتراض باتیں لکھی گئی ہیں۔ اس کتاب کی مسدودی کے بارے میں حکم جاری ہو چکا ہے اس کی تعمیل کی جائے۔ مزید formalities ضروری نہیں ہیں اس سلسلے میں آپ احکام جاری کر دیں۔

یہ کارروائی بابِ حکومت کے اجلاس منعقدہ ۷ / اپریل ۱۹۴۷ء میں پیش ہوئی جس میں صدر اعظم سر مرزا اسمٰعیل کے علاوہ ڈی۔ وی۔ گریگسن، زین یار جنگ، لیاقت جنگ، راجہ بہادر آرمودا ئنگار، علی یاور جنگ، پنگل وینکٹ راما ریڈی اور محمد عبدالرحیم شریک اجلاس تھے۔ اس اجلاس میں حسبِ ذیل قرارداد منظور کی گئی:

"بالاتفاق طے پایا کہ مخدوم محی الدین کی کتاب "حیدرآباد" کو مسدود اور اس کی جملہ کاپیوں کو بحق سرکار ضبط کیا جائے نیز اس کے بیرون ملک بھیجے جانے کو منع کیا جائے۔"

حکومت کی متذکرہ بالا قرارداد پر معتمدی عدالت و کوتوالی و امور عامہ کی جانب سے حسبِ ذیل حکم مورخہ ۸ / اپریل ۱۹۴۷ء جاری ہوا۔

"چونکہ صدر اعظم بابِ حکومت کی رائے میں اردو کتاب موسومہ "حیدرآباد" مصنفہ مخدوم محی الدین شائع کردہ قومی دارالاشاعت (لاہور و بمبئی) مطبوعہ کو اپریٹیو کیپٹل پریس لاہور میں اس نوعیت کی مضرت رساں خبریں درج ہیں جن کا ذکر قواعد تحفظ ممالک محروسہ سرکار عالی کے قاعدہ (۳۳) ذیلی قاعدہ (۷) اور قاعدہ (۳۳) ذیلی قاعدہ (۶) کے فقرہ (ھ) میں ہے۔ لہٰذا بہ نفاذ ان اختیارات کے جو صدر اعظم بابِ حکومت کو حاصل ہیں صدر اعظم بابِ حکومت اردو کتاب مذکور کی اشاعت مزید فروخت و تقسیم کو ممنوع قرار دیتے ہیں اور اعلان کرتے ہیں کہ اردو کتاب مذکور و نیز جملہ دیگر ایسے مطبوعات جن میں اس

نظمیں یا ترجمے یا اقتباسات شریک ہوں جہاں کہیں پائے جائیں بحق سرکار قابل ضبطی ہیں ضبط کرلیے جائیں۔"

اس کتاب پر ریاست حیدرآباد میں ہی امتناع پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ ریاست ہی کے ایک حصہ میں جو دارالحکومت حیدرآباد سے بالکل ہی قریب بلارم اور اس کے آس پاس کنٹونمنٹ کے علاقہ کے نام سے مشہور تھا اس کتاب پر امتناع اور حکومت پنجاب کو بھی اس سلسلہ میں توجہ دلانے کی غرض سے معتمدی عدالت وکوتوالی کی طرف سے ایک مراسلہ مورخہ ۱۸/اپریل ۱۹۴۷ء چیف سکریٹری صیغہ سیاسیات کو تحریر کیا گیا۔ اس مراسلہ کے ساتھ مذکورہ بالا حکم کی ایک نقل منسلک کرتے ہوئے لکھا گیا کہ اس بارے میں رزیڈنسی کو لکھا جائے۔

چناں چہ چیف سکریٹری ریاست حیدرآباد نے اپنے مراسلہ مورخہ ۲۷/ اپریل ۱۹۴۷ء موسومہ سکریٹری رزیڈنٹ حیدرآباد میں مخدوم محی الدین کی کتاب "حیدرآباد" میں شامل مواد کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے لکھا کہ کتاب میں شائع شدہ بے بنیاد اور شرارت انگیز بیانات سے عوام کے گمراہ ہونے اور حکومت کے خلاف نفرت اور حقارت کے جذبات پیدا ہونے کے اندیشے ہیں۔ حکومت ریاست حیدرآباد نے اس کتاب پر امتناع عائد کرتے ہوئے ایک حکم نامہ جاری کر دیا ہے۔ آخر میں رزیڈنسی کے علاقوں میں بھی متوازی اقدامات کرنے اور حکومت پنجاب کو اس سلسلہ میں ضروری کارروائی کرنے کے لیے ایک مراسلہ تحریر کرنے کی درخواست کی گئی۔

چیف سکریٹری ریاست حیدرآباد کے مراسلہ کے جواب میں حیدرآباد رزیڈنسی سے ایک مراسلہ مورخہ ۲۴/مئی ۱۹۴۷ء حکومت ریاست حیدرآباد کو وصول ہوا جس کے ذریعہ رزیڈنسی کی جانب سے جاری کردہ احکام (Residency notification) مورخہ ۲۴/مئی ۱۹۴۷ء کی نقلیں روانہ کی گئیں جن کے ذریعہ یہ اعلان کیا گیا کہ رزیڈنسی کے علاقوں میں مخدوم محی الدین کی کتاب "حیدرآباد" کے داخلہ پر امتناع اور کتاب مذکور اور ایسے مطبوعات

جن میں اس کتاب کے اقتباسات اور ترجمے شامل ہوں بحق سرکار ضبط کرلیے جائیں ۔ اس کے علاوہ حکومت ریاست حیدرآباد کو یہ اطلاع بھی دی گئی کہ اس سلسلہ میں حکومت پنجاب کو مراسلہ تحریر کیا جاچکا ہے ۔

حکومت ریاست حیدرآباد کی جانب سے مخدوم کی کتاب "حیدرآباد" پر امتناع اور ضبطی کے بارے میں جو حکم صادر کیا گیا تھا اسے جریدہ اعلامیہ میں شائع کرنے کے لیے معتمدی عدالت وکوتوالی کی جانب سے ایک مراسلہ مورخہ ۸/اپریل ۱۹۴۷ء ناظم طباعت کو تحریر کیا گیا تھا چناں چہ وہ حکم نامہ جریدہ (۲۸) مورخہ ۲۱/اپریل ۱۹۴۷ کے جز اوّل میں طبع کیا گیا ۔ اس کی اطلاع محکمہ طباعت کے مراسلہ مورخہ ۷/مئی ۱۹۴۷ء کے ذریعہ معتمد عدالت وکوتوالی وامور عامّہ کو دی گئی ۔

مخدوم محی الدّین کی اس کتاب "حیدرآباد" پر عائد کردہ امتناع پر کس شدّت اور سختی کے ساتھ عمل درآمد ہوا ہوگا اس کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ دفتر آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز کے سرکاری ریکارڈ میں اس کتاب کے تعلق سے راز کی مراسلت اور دیگر مواد موجود ہے لیکن اس کتاب کا کوئی نسخہ اس کے ساتھ منسلک نہیں ہے اور نہ ہی کسی اور طریقہ سے اس کتاب کو سرکاری ریکارڈ میں محفوظ کیا گیا ۔ اگر اس بظاہر نایاب یا ناپید کتاب کا کوئی نسخہ کسی اور ذریعہ یا وسیلہ سے برآمد ہوجائے تو اس کے مکمّل متن کا مطالعہ اور جائزہ اس کتاب کے تاریخی، سیاسی اور تہذیبی پس منظر میں بے حد اہمیت کا حامل ہوجائے گا ۔

ماخذِ مضمون

File No.21/Pub/56 F (confidential)

نشانِ محافظی ۔ ۳۱

مقدمہ ۔ نسبت اردو کتاب "حیدرآباد" مصنّفہ مخدوم محی الدّین کمیونسٹ لیڈر



P 15

۵

اعلیحضرت بندگانعالی متعالی مدظلہ العالی

H. E. H. The Nizam's Peshi Office,
King Kothi,
Hyderabad-Deccan.

۱۲- جمادی الاول ۱۳۶۶ھ

ضروری

خدمت شریف جناب معتمد صاحب باب حکومت سرکار عالی

آپ کو تحریر کرنے کے لئے سرکار کا جو حکم ہوا ہے وہ حسب ذیل ہے :-

کوتوال بلدہ نے میرے ملاحظہ میں ایک رسالہ پیش کیا ہے جس کا نام حیدرآباد ہے جس کو مخدوم محی الدین نے طبع کیا ہے اس میں از ابتداء تا انتہا جو مضامین لکھے گئے ہیں وہ کھلے باغیانہ رنگ میں ہیں خصوص اس پرآشوب زمانہ میں ایسے مضامین سے ہر قسم کے فتنے برپا ہونے کا اندیشہ ہے۔ لہذا میری دانست میں اسکی خرید و فروخت اندرون ممالک محروسہ سرکار عالی مسدود ہونا اور کاپیاں بحق سرکار ضبط ہونے کے قائل ہیں تاکہ اس فتنہ و شر کا انسداد ہوسکے۔

مجھے امید ہے کہ کونسل کو میری رائے سے اتفاق ہوگا اور جلد اس طرف متوجہ ہوگی۔

کوتوال بلدہ نے جو رسالہ پیش کیا تھا وہ کونسل کے پڑھنے کے لئے بھیجا جارہا ہے۔

صدر المہام پیشی

RESIDENCY ORDERS NOTIFICATIONS.

No. 64.-P, dated the 24. May, 1947.

In exercise of the power conferred by sub-rule (i) of Rule 3 of the Indian States Prevention of Importation of Objectionable Documents Rules, published in the Political Department Notification No.207-I.B., dated the 30th September 1937, the Resident is pleased to prohibit the entry into the Administered Areas in the Hyderabad State of all copies of the book in Urdu entitled "Hyderabad" by Makhdoom Mohiuddin, published by Qaumi Dar-ul-Ishayat (National Publicity) of Lahore and Bombay and printed at the Co-operative Cadel Press, Lahore, and all other documents containing copies, reprints, and translations of, or extracts from the said publication.

A.C.K. Maunsell,
Secretary to the Hon'ble the
Resident.

No. 65-P, dated the 24. May, 1947.

In exercise of the powers conferred by section 99-A of the Code of Criminal Procedure, 1898 (Act V of 1898) as applied to the Hyderabad Administered Areas, the Resident is pleased to declare to be forfeited to His Majesty all copies wherever found, of the book in Urdu entitled "Hyderabad" by Makhdoom Mohiuddin, published by Qaumi Dar-ul-Ishayat (National Publicity) of Lahore and Bombay and printed at the Co-operative Cadel Press, Lahore, and all other documents containing copies, reprints, translations of, or extracts from the said book, on the ground that the said book contains matter the publication of which is punishable under section 124-A of the Indian Penal Code as applied to the said Areas.

A.C.K. Maunsell,
Secretary to the Hon'ble the
Resident.

یومِ جمہوریہ پر آصفِ سابع کی نظم

آصفِ سابع نواب میر عثمان علی خان ظاہر ہے کہ ہمارے ملک میں شاہی اور مطلق العنانی کے دور کی آخری یادگاروں میں سے ایک تھے لیکن ساتھ ہی ساتھ وہ ایک غیر معمولی شخصیت بھی تھے۔ وقت کے دھاروں سے انھوں نے کبھی اپنے آپ کو الگ نہیں کیا یہی نہیں کہ وہ اپنے عہد میں سانس لیتے تھے بلکہ مستقبل کے امکانات اور تقاضوں پر بھی ان کی نظر رہتی تھی۔ ۱۵/ اگسٹ ۱۹۴۷ء سے بہت پہلے ہی انھوں نے محسوس کرلیا تھا کہ آنے والا وقت تغیّرات اور تبدیلیوں کی برات لے آئے گا۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ یہ برات آندھی اور طوفان کی شکل میں آئے۔ وہ چاہتے تھے کہ تبدیلیوں اور تغیّرات کو نوشتۂ دیوار سمجھ کر تسلیم کرلیا جائے۔ اپنی ان کوششوں کو تکمیل تک پہنچانے میں یقیناً انھیں بھی موانعات اور حالات کے جبر کا سامنا کرنا پڑا لیکن یہ بادل جلد ہی چھٹ گئے اور ملک کی سب سے بڑی دیسی ریاست کے اس والی، تاج دار اور شاہِ دکن نے کھلے دل کے ساتھ نظمِ نو کا استقبال بھی کیا کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ سلطانیٔ جمہور کا زمانہ شروع ہوچکا ہے اور نقشِ کہن اب مٹ جانے چاہییں۔

آصفِ سابع نواب میر عثمان علی خاں چوں کہ ایک بلند پایہ شاعر بھی تھے اس لیے یہ فطری بات ہے کہ اپنے تخلیقی لمحات میں وہ عہدِ نو کے لمس کو محسوس کرتے رہے اور اسے

اپنی شعری تخلیق میں ڈھالا چناں چہ پہلے یوم جمہوریہ ہند ۲۶ / جنوری ۱۹۵۰ء کے موقع پر انھوں نے ایک نظم فارسی میں موزوں کی اور اس کا انگریزی ترجمہ بھی سب سے بڑے دستیاب مترجم نواب سر نظامت جنگ سے کروایا جو خود بھی انگریزی کے بلند پایہ شاعر، عالم اور دانش ور تھے۔

آصفِ سابع کی اس نظم اس کے ترجمہ اور اس کے بارے میں مسٹر ایم کے ویلوڈی سے مراسلت کے بارے میں حقائق کا درواکرنے سے پہلے بہ حیثیت شاعر آصف سابع کے بارے میں چند باتیں بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

نواب میر عثمان علی خاں کو سخن سنجی اور سخن فہمی ورثہ میں ملی تھی وہ اردو اور فارسی میں طبع آزمائی کرتے تھے اردو کے اپنے وقت کے سب سے بڑے شاعر داغ آصفی دربار سے وابستہ تھے اور نواب میر عثمان علی خاں کے والدِ ماجد آصف سادس نواب میر محبوب علی خاں کے استاد تھے۔ اردو کے ایک اور باکمال شاعر اور مسلّم الثّبوت استاد فصاحت جنگ جلیل کو آخری دو سال میں آصف جاہ سادس کے استاد رہنے کا شرف حاصل ہوا۔ اس کے بعد جلیل آصفِ سابع نواب میر عثمان علی خاں کے دور میں بھی استادِ شہ کے منصب پر فائز رہے۔

آصفِ سابع کا کلام حیدرآباد کے اخبارات میں شائع ہوتا تھا۔ ان کی سال گرہ کے موقع پر حیدرآباد کے اخبارات جو سال گرہ نمبر شائع کرتے تھے ان میں بھی آصف جاہ سابع کا کلام شریک اشاعت رہتا تھا۔ حیدرآباد کے ان اخبارات میں روزنامہ صبحِ دکن کے سال گرہ نمبر بڑی اہمیت کے حامل تھے کیوں کہ وہ بڑے اہتمام کے ساتھ شائع ہوتے تھے۔

ریاست حیدرآباد کے ہندوستان میں ضم ہو جانے اور شاہی کے ختم ہونے کے بعد ملک میں دستور کے نفاذ پر آصفِ سابع نے پہلے یوم جمہوریہ ہند ۲۶ / جنوری ۱۹۵۰ء کے موقع پر ایک فارسی نظم لکھی تھی وہ اپنی اس نظم کے انگریزی ترجمہ کی دہلی کے اخبارات میں اشاعت کے خواہاں تھے اس سلسلہ میں مسٹر ایم کے ویلوڈی سے جو اس وقت چیف

منسٹر حکومت حیدرآباد تھے حضور نظام کی مراسلت ہوئی تھی۔ یہ سارا مواد آندھرا پردیش اسٹیٹ آرکائیوز کی ایک مثل میں موجود ہے۔ متذکرہ بالا مراسلت کی تفصیلات بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کیوں کہ اس سے شاعری کے ترجمہ کے تعلق سے بھی آصف سابع کے خیالات کا اندازہ ہوتا ہے۔

آصف جاہ سابع نے ایک مکتوب مورخہ ۱۰ر فبروری ۱۹۵۰ء مسٹر ایم کے ویلوڈی کو روانہ کرتے ہوئے تحریر کیا۔ میں اپنی فارسی نظم کا انگریزی ترجمہ جو نظامت جنگ نے کیا ہے روانہ کر رہا ہوں۔ میں نے یہ نظم ۲۶ر جنوری ۱۹۵۰ء کو باغ عامہ میں سرکاری تقریب کے فوری بعد لکھی۔ میں ممنون ہوں گا اگر آپ اسے میری جانب سے دہلی کے ارباب اقتدار کے پاس روانہ کریں اور یہ دریافت کریں کہ اگر انھیں کوئی اعتراض نہ ہو تو میں اس نظم کو انگریزی اخبارات میں شائع کروانا چاہتا ہوں۔

اسی روز مسٹر ایم کے ویلوڈی نے آصف سابع کو جواب تحریر کرتے ہوئے نظم کی وصولی کی رسید کے علاوہ یہ بھی اطلاع دی کہ مسٹر مینن کو آصف جاہ سابع کی خواہش سے آگاہ کر دیا گیا ہے کہ وہ چاہتے ہیں کہ یہ نظم ہندوستان کے انگریزی اخبارات میں شائع کی جائے مسٹر ایم کے ویلوڈی نے اپنے اس مکتوب میں اس نظم پر اظہار خیال کرتے ہوئے نظم میں ظاہر کردہ احساسات، خیالات اور نظم کی دیگر خوبیوں کو سراہا۔

یم۔ کے۔ ویلوڈی نے آصف سابع کی فارسی نظم کا انگریزی ترجمہ اپنے ایک مراسلہ کے ساتھ منسلک کرتے ہوئے وی۔ پی۔ مینن سکریٹری حکومت ہند، منسٹری آف اسٹیٹس کو لکھا کہ حضور نظام اس نظم کو ہندوستان کے اہم انگریزی اخبارات میں شائع کروانا چاہتے ہیں براہ مہربانی اس کی اطلاع وزیر اعظم اور وزیر داخلہ کو دی جائے۔ اس کے جواب میں وی۔ پی مینن نے مسٹر ویلوڈی کو اطلاع دی کہ حضور نظام کی فارسی نظم کا انگریزی ترجمہ وزیر اعظم اور وزیر داخلہ کو دکھایا گیا۔ وزیر اعظم کا خیال ہے کہ اصل فارسی نظم اور اس کے انگریزی ترجمہ کی ایک

(سلسلہ صفحہ ۱۴۱ پر)

نظم

مطلع } عجب این جلوۂ زیبا کہ بروئے تو می آید | کہ از ہر گل صبا گفتہ نگہ بوئے تو می آید

عجب این بود اعلانے کہ گشتہ از سوئے دہلی | کہ راحت در دل از پیغام دلجوئے تو می آید

ز بندِ مذہب و قیدِ ملل آزاد می گردد | پرستارے کہ در محرابِ ابروئے تو می آید

عجب دامِ محبت ہست ایں گفتہ جگر بشنو | رہا ہر دل نشد۔ در دامِ گیسوئے تو می آید

بگفتہ طالعِ یاورِ طفیلِ کربلا بشنو | عجب شان و حشم ہر دم بہ پہلوئے تو می آید

بگفتہ مورچل قصہ بہ پیشِ تکیہ جاہے | نگر این مسندِ زریں بہ زانوئے تو می آید

بگفتہ دورِ مے بشنو بیا بزمِ طرب گشتہ | عجب آوازِ پر نغمہ کہ از کوئے تو می آید

مقطع } عجب این بود تقریبے بماہ جنوری عثماںؔ
(۲۶ تاریخ)
مبارک باد از ہر چار سو۔ سوئے تو می آید

NIZAM OF HYDERABAD'S PERSIAN POEM ON 26TH JANUARY, 1950

(TRANSLATED BY SIR NIZAMAT JUNG, EX-MEMBER OF COUNCIL)

What splendour for our eyes - suspicious, fair!
What fragrance wafted on the morning air!
The tidings that from Delhi's walls rang wide
Brought solace to all hearts, and joy and pride
To hearts released from bonds of caste and race -
Yea, hearts that only bend before God's Grace.
How wondrous is the bond of Love! No heart
Disowns the spell it works by mystic art.
"Karbalas' martyrdom" - love's glorious meed -
proclaims what blessings crown the pure heart's creed.
'Tis not the throned seat, the waving plume;
The heart's the throne that golden deeds illume.
The feast's prepared, the sparkling bowl o'erflows!
What joyous strains towards thee the Zephyr blows!
The new Dawn's greetings, "OSMAN", rich and strange,
And the four quarters hail the promised change!

ساتھ اشاعت مناسب رہے گی۔ حکومتِ ہند سے رضامندی ملنے پر اس کی اطلاع آصفِ سابع کے معتمدِ پیشی کو دے دی گئی۔

آصفِ سابع نے ایک اور خط مورخہ ۵ رمارچ ۱۹۵۰ء مسٹر ایم کے ویلوڈی کو لکھا کہ معتمدِ پیشی کے نام مورخہ ۲ رمارچ کے مکتوب سے معلوم ہوا کہ میری فارسی نظم کا ترجمہ اصل فارسی نظم کے ساتھ انگریزی اخبارات میں شائع کرنے کے سلسلے میں حکومتِ ہند نے رضامندی ظاہر کی ہے۔ اس مکتوب میں آصفِ سابع، نظامت جنگ کے ترجمہ کا حوالہ دیتے ہوئے ترجمہ کے تعلق سے لکھتے ہیں کہ یہ بہت مشکل ہے بلکہ ناممکن ہے کہ لفظی ترجمہ کیا جائے کیوں کہ ہر زبان میں خیالات و جذبات کے اظہار کے علاوہ شاعری کے لیے مقررہ قواعد و ضوابط ہوتے ہیں اس لیے نظم کا اصل مطلب لے کر اسے جس زبان میں ترجمہ کیا جا رہا ہے اس کے مقررہ قواعد اور اصول کے تحت شعر کے قالب میں ڈھالا جاتا ہے اگر ایسا نہ کیا جائے تو نظم کے حسن اور اس کی روح کے ہی گم ہو جانے کا اندیشہ رہتا ہے اور وہ قاری جس کی زبان انگریزی ہے ترجمہ کو پوری طرح سمجھ نہیں سکتے۔ آصفِ سابع نے یہ بھی لکھا ہے کہ نظامت جنگ نے ان کے فارسی اور اردو کلام کا اسی اصول کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ترجمہ کیا ہے۔

اصل نظم اور اس کے انگریزی ترجمہ کو انگریزی اخبارات اور مقامی روزناموں میں شائع کروانے کے بارے میں چیف منسٹر کے پرائیوٹ سکریٹری اور ناظم اطلاعات و تعلقاتِ عامہ حکومتِ حیدرآباد کے مابین مراسلت ہوئی تھی لیکن اس مثل سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ فارسی نظم اور اس کا ترجمہ کب اور کن اخبارات میں شائع ہوا۔

ماخذِ مضمون

File No.50/126(1)/CM of 1950

Subject: -H.E.H. the Nizam - Poem written on the Republic Day.



HYDERABAD.
DECCAN.

Personal.

10th February 1950.

My dear Friend,

I am sending the English translation of my Persian Poem (done by Nizamat Jung) which I had composed on 26th January 1950, the day of declaration of India's becoming a Republic, soon after the official ceremony was over at Public Gardens. I shall be grateful if you kindly forward this to the high authorities in Delhi, on my behalf, and ask them that if they have no objection, I would like this poem to be published in English papers in India, in commemoration of that historic declaration, as it was an unique event in the annals of India.

Yours sincerely,

Nizam VII (MOAK)

M. K. Vellodi Esq., C. I. E.,
Chief Minister, Hyderabad Government,
The Residency, Bolarum.

D.O. No. 50/126/CM

10th February 1950.

Dear Menon,

His Exalted Highness has sent me today the translation of a Persian Poem composed by him on 26th January 1950 immediately after he swore himself in as Raj Pramukh, copy of which I enclose. His Exalted Highness desires me to say that if the Government of India have no objection he would like this translation, which has been made by Sir Nizamat Jung, ex Member of the Hyderabad State Council, to be published in the important English newspapers in India. Kindly bring this to the notice of the H.P.M. and H.M.

Yours sincerely,

(M.K. Vellodi)

Encl. One

Shri V.P. Menon,
Secretary to the Govt. of India,
Ministry of States,
New Delhi.

MOAK
NIZAM VII

۱۴۲

HYDERABAD.
DECCAN.

Personal.

5th March 1950.

My dear Friend,

Your Private Secretary has written (vide his letter dated 2nd March 1950) to the acting Secretary of my Peshi Office (namely, Mohammad Hussain Khan Ghaznavi) to say that the Government of India have agreed that the English translation of my Persian Poem (written on the occasion of 26th January) by Sir Nizamat Jung could be published in English papers, along with the Persian Poem. On the basis of this information I am sending it, with the remark that, according to the version of Nizamat Jung, it is very difficult, or rather impossible to translate word for word, as the language of every nation has got certain fixed rules and regulations for its poetry, besides the ideas or sentiments of their own. Therefore, only the purport or meaning of the poem is taken and given shape to the fixed code of that particular language in which it is translated. Otherwise, if this is not done then the beauty or essence of it will be lost, and the people, whose language is English, will not appreciate it. In fact, he has translated my other poems of Persian or of Urdu, by keeping this formula in view, as there was no other alternative for him but to adopt this method in order to give it a shining face.

(2) I thought it advisable to mention this point in order to avoid possible misunderstanding.

Yours sincerely,

Nizam VII (as above)

M. K. Vellodi Esq., C.I.E.,
Chief Minister, Hyderabad Government,
The Residency, Bolarum.